مطبوعاتِ جدیدہ

مارننگ نیوز کا عید نمبر (انگریزی) مرتبہ جناب عبد الرحمن صدیقی صاحب تقطیع بڑی ٹائٹل پیج رنگین ویدہ زیب کاغذ کتابت وطباعت بہتر ضخامت ۸۰ صفحے قیمت عہ ملنے کا پتہ، مارننگ نیوز، ۲۵ چورنگی، کلکتہ،

مارننگ نیوز کلکتہ کا روزانہ انگریزی اخبار ہے، جو جناب عبد الرحمن صاحب صدیقی کی ادارت میں کئی سال سے برابر نکل رہا ہے، اور اپنے طرزِ نگارش اور پالیسی کے لحاظ سے معاصر اخبارون مین امتیازی حیثیت رکھتا ہے، ہر سال عید کے موقع پر اس کا ایک عید نمبر بھی نکلتا ہے، جس مین مختلف قسم کے مفید مضامین ہوتے ہین، چنانچہ اس سال کے عید نمبر مین نہ صرف سیاسی، بلکہ تاریخی، ادبی اور مذہبی مقالات بھی ہین، جن کے لکھنے والے بیشتر ملک کے مشاہیر ہین، نیاز احمد خان صاحب آئی سی، ایس نے "جاوید نامہ اقبال کے الفاظ مین" کے عنوان سے جاوید نامہ کی اس تلخیص کو پیش کیا ہے، جو اقبال مرحوم نے گول میز کانفرنس کے موقع پر لندن مین ان کو لکھائی تھی، مضمون نگار کا بیان ہے کہ جاوید نامہ کی تلخیص ختم کرتے وقت اقبال مرحوم کی آنکھون سے آنسو روان ہوگئے، جو دیر تک نہ رک سکے، ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب نے اقبال کے فلسفۂ خودی کی روشنی مین دل نشین انداز سے "شخصیت" پر بحث کی ہے، اخبار کے فاضل اڈیٹر نے محمد علی شاہ قاچار سے استنبول مین اپنی ملاقات کا حال بہت دلچسپ پیرایہ مین بیان کیا ہے، ایک یورپین اہلِ قلم نے مغربی موسیقی پر مسلمانون کے اثرات بتائے ہین، قاضی عبد الغفار صاحب نے ایک فرانسیسی مصنف کی ایک کتاب سے انگریزی زبان کے کچھ اقتباسات پیش کئے ہین، جس سے چینی مسلمانون کے متعلق بعض تفصیلات معلوم ہوتی ہین، جناب مودود الرحمن صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے بنگال کے اردو کے ہندو اور مسلمان شعرا پر ایک اجمالی تبصرہ کرتے ہوئے دعوی کیا ہے کہ بنگال اردو کی خدمت مین کسی دوسرے صوبہ سے پیچھے نہین رہا، اے اے فیضی صاحب نے اپنے مقالہ "ہندوستانی زبان کا لسانی جائزہ" مین یہ رائے ظاہر کی ہے، کہ ہندوستان کی عام بول چال کے لئے ایک ایسی آسان ہندوستانی زبان ہونی چاہئے جس کے ایک ہزار بنیادی الفاظ ہون، ڈاکٹر محمود حسین نے اپنے مضمون مین ہندوستان کی وہابی تحریک کی اجمالی تاریخ بیان کی ہے، ان خاص مضامین کے علاوہ حیدر آباد، بھوپال، رامپور، بہاولپور، اور پالن پور کی صنعتی و تجارتی ترقیون پر پر از معلومات مقالات ہین، مجموعی حیثیت سے اس کو صحیح معنون مین عید کا قابلِ قدر علمی تحفہ کہا جاسکتا ہے،

رزم نامہ مصور اڈیشن (انگریزی) مولفہ جناب ام عبد اللہ چغتائی صاحب، تقطیع اوسط، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، ضخامت ۴۰ صفحے، قیمت ندارد، ملنے کا پتہ دکن کالج ریسرچ انسٹیٹوٹ، پونا،

جناب ڈاکٹر عبد اللہ صاحب چغتائی (دکن کالج، پونا) کا اسم گرامی ہندوستان کی علمی دنیا مین کافی روشناس ہے، ہندوستان کے اسلامی عہد کا تعمیری آرٹ اور مصوری موصوف کا خاص موضوع ہے، جس پر انگریزی مین برابر ان کے مضامین نکلتے رہتے ہین، ان کا ایک مقالہ مندرجہ بالا عنوان سے دکن کالج ریسرچ انسٹیٹوٹ کے جرنل مین شائع ہوا تھا، جو کتاب کی صورت مین زیرِ نظر ہے، اکبر کے حکم سے مہابھارت کا فارسی ترجمہ رزم نامہ کے نام سے کیا گیا تھا، اور اس کے کئی مصور نسخے بھی اکبر اور اس کے درباریون کی خواہش سے تیار کئے گئے تھے، فاضل مولف نے اس مقالہ مین ان نسخون کی مصوری پر ناقدانہ بحث کی ہے، جو تیموری عہد کی مصوری سے ذوق رکھنے والون کے لئے مفید و دلچسپ ہے، کتاب مین رزم نامہ کی تصویرون کی مختلف پلیٹین بھی دی ہین، مگر کسی وجہ سے تمام پلیٹین شامل نہین ہو سکی ہین اس لئے فاضل مولف نے پلیٹون کی روشنی مین جو تنقیدین کی ہین، ان کو سمجھنے مین جا بجا دقت محسوس ہوتی ہے، "ص ع"

جلد ۵۵ ماہ صفر ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۵ء عدد ۲

مضامین

شذرات

ہندوستان کے مسلمانون مین اسلامی علوم وفنون کی خدمت اور اسلامیات سے متعلق تحقیقات کا ذوق اب خاصہ ترقی کر گیا ہے، اور بہت سے اصحابِ علم اور متعدد ادارے اس کام کو انجام دے رہے ہین، لیکن کام کی اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے ابھی اس کی رفتار نا کافی ہے، خصوصاً مسلمانون کے علمی و تعلیمی مرکزون مین جہان اصحابِ علم کی جماعتین موجود ہین تحقیقاتی ادارون کی بڑی ضرورت ہے، اس کی توقع سب سے زیادہ علی گڈہ سے ہو سکتی تھی، لیکن اس میدان مین اس کا قدم سب سے پیچھے تھا، مگر اب وہان کی فضا بھی بدلنے لگی ہے اور ادھر چند برسون کے اندر سنجیدہ علمی کامون کی طرف بھی کافی توجہ ہوگئی ہے جس کا ایک مفید نتیجہ انڈین ہسٹاریکل انسٹی ٹیوٹ ہے، اس نے تھوڑی مدت مین متعدد مفید علمی کتابین شائع کین، مجلس مصنفین کے نام سے اردو کی بھی ایک علمی مجلس قائم ہوئی ہے جس کا رسالہ مصنف کئی سال سے علمی و ادبی خدمت انجام دے رہا ہے، مجلس مذکور مین وقتاً فوقتاً مفید مقالات بھی پڑھے جاتے ہین، جو رسالہ مصنف کے علاوہ علٰحدہ کتابی صورت مین بھی شائع ہوتے رہتے ہین،

تازہ خوشخبری یہ ہے کہ کمال یارجنگ تعلیمی تحقیقاتی کمیٹی کی سفارش کے مطابق آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے زیر نگرانی ایک آل انڈیا اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام کی اسکیم منظور ہوئی ہو جو ابتدائی تعمیری مراحل سے گذر رہی ہے، یہ انسٹی ٹیوٹ اسلامی علوم وفنون کی خدمت اور اسلامیات سے متعلق تحقیقات کے تمام شعبون پر حاوی ہے، کانفرنس کو ایک ایسے علم دوست بزرگ قوم کی سرپرستی حاصل ہے، اسلامی علوم وفنون کے ساتھ جن کی شیفتگی معلوم ومشہور ہے، اس لئے امید ہے کہ یہ مجوزہ اسکیم جلد عملی شکل اختیار کرے گی، ہم علمی برادری مین اس قیمتی اضافہ کا دلی مسرت سے خیر مقدم کرتے ہین،

انسٹی ٹیوٹ مذکور کے مقاصد مین علمی کتابون کی اشاعت کے لئے اس کے ذاتی پریس کا قیام بھی ہے، یہ سب سے مقدم اور ضروری چیز تھی، اب علمی کام کرنے والون کی اتنی کمی نہین جتنی اس کی طباعت و اشاعت کی دشواریان ہین، عموماً مصنفین کو تصنیف کی محنت و جانکاہی کے ساتھ اس کے طبع و اشاعت کی زحمتون کا بار بھی اٹھانا پڑتا ہے، جس کے متحمل کم اشخاص ہو سکتے ہین، گو اب بعض ناشرین کتب ایسے پیدا ہو گئے ہین جنھون نے کسی حد تک مصنفین کو اس زحمت سے بچا لیا ہو، لیکن اس سے دشواری کا پورا حل نہین ہوا ہے، اور ایک ایسے پریس کی ضرورت باقی تھی جس کا مقصد صرف علم و فن کی خدمت و اشاعت ہو، امید ہے، کہ اس انسٹی ٹیوٹ سے یہ ضرورت بھی پوری ہو جائے گی،

یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ بنگال کے مسلمانون مین اردو زبان سے دلچسپی پیدا ہونے لگی ہے وہان انجمن ترقی اردو کی شاخ بھی قائم ہے، اردو سے متعلق تقریبین اور یادگارین بھی منائی جاتی ہین، بنگالی زبان مین اردو کی بعض مفید کتابون کے تراجم کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے لیکن اولاً یہ ذوق و شوق زیادہ تر کلکتہ کے اندر محدود ہے، دوسرے صرف اتنی دلچسپی سے اردو زبان سے واقفیت کا مسئلہ جو اصل مقصود ہے، حل نہین ہوتا، ضرورت ہے کہ اس کے وسائل اختیار کئے جائین اور ان کو تعلیم یافتہ طبقون مین پھیلایا جائے،

بنگال کے مسلمانون کے لئے مختلف حیثیتون سے اردو سے واقفیت ضروری ہے، مذہب کے بعد اردو ہی ایک ایسا رشتہ ہے، جو مختلف صوبون کے مسلمانون کو باہم مربوط اور ایک دوسرے سے قریب کر سکتا ہے، اس سے بیگانگی کا نتیجہ یہ ہے کہ بنگال مین مسلمانون کی اتنی بڑی آبادی کے باوجود دوسرے صوبون کے مسلمانون سے ان کا رابطہ بہت کم ہے، ان کے مقابلہ مین ان صوبون کے مسلمان جو اقلیت مین ہین، اور جن کی صوبائی زبانین بھی ہین، محض اردو سے واقفیت کے بدولت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہین، ہندوستان کی تمام زبانون مین اسلامی علوم و مذہبیات کا سب سے بڑا ذخیرہ اردو ہی مین ہے، جس سے بنگالی مسلمان بہت کم فائدہ اٹھا سکتے ہین اس لئے قومی اور مذہبی دونون حیثیتون سے ان کے لئے اردو کی جانب توجہ کی ضرورت ہے،

ابھی حال مین مجھ کتابون کی ایک فہرست پر نظر پڑی، اس مین پارہ عم کا منظوم ترجمہ دیکھ کر حیرت ہوئی، کلام مجید کے کسی جزو کا بھی منظوم ترجمہ احتیاط کے سخت خلاف ہے، کلام مجید کا ایجاز یہ ہے، کہ اس کے نثر کے ترجمہ مین بہت سی آیات کا پورا اور صحیح مفہوم توسین مین تشریحی الفاظ بڑھائے بغیر ادا نہین ہوتا، اور نظم کی پابندیون کی وجہ سے منظوم ترجمہ مین تو اصل الفاظ مین کمی و زیادتی اور حذف و اضافہ ناگزیر ہے، جس سے تحریف کا دروازہ کھلتا ہو، اس لئے خواہ نیت کچھ بھی ہو کلام مجید کے کسی جزو کا منظوم ترجمہ نازیبا ہے،

مقالات

شیخ اکبر محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ

کا

نظریۂ علم (Theory of Knowledge)

از مولینا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات، جامعۂ عثمانیہ

مشہور اسلامی عارف حضرت شیخ محی الدین بن عربی رح جو عموماً مسلمانون مین شیخ اکبر کے نام سے یاد کئے جاتے ہین، خاکسار نے مجلس دائرۃ المعارف کی ایک علمی بزم مین جو غالباً ۱۹۳۰ء مین حیدرآباد ہی مین منعقد ہوئی تھی، شیخ ہی کے متعلق ایک مقالہ عربی زبان مین سنایا تھا، اس مقالہ مین حضرت شیخ کے علمی نقاط نظر پر ایک اجمالی تبصرہ کیا گیا تھا، جو طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے، منجملہ اور باتون کے اُن کے متعلق مین نے یہ بھی لکھا تھا:-

"منجملہ ان امور کے جن کی طرف شیخ نے خاص توجہ مبذول کی ہے، جہان تک میرا خیال ہے، وہ انسانی فکر ونظر کی حد پرواز کا مسئلہ ہے"

مین نے اسی سلسلہ مین اس پر بھی تنبیہ کی تھی، کہ:-

"جس چیز کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، اور آدمی مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے، وہ یہ ہو کہ یورپ والے اور جو ان یورپ والون کے طفیلی یا ان کی ہان مین ہان ملانے والے ہین، ان سبھون نے اس مسئلہ کی ایجاد و تنقیح کا سہرا جرمنی کے حکیم کانٹ کے سر باندھا ہے، اپنی اور اپنی قوم کے لئے اس چیز کو یہ مایۂ فخر وفضل بنائے ہوئے ہین،"

(مقالۃ الشیخ الاکبرؓ وطریقہ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

پھر عرض کیا گیا تھا کہ اس سلسلہ مین شیخ اکبر کے نظریات اور افکار پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ حکیم کانٹ ثانی سے وہ کم اہمیت نہین رکھتے،

مجھ سے خواہش کی گئی کہ آج کی مجلس مستشرقین کے شعبہ اسلامیات[1] مین شیخ اکبر کے اسی نظریہ کے متعلق بعض چیزین آپ کے سامنے پیش کرون، امتثالاً للامر اپنی محدود فہم کے مشورہ سے اس مجلس مین شیخ کے کلام سے جن اجزاء کا انتخاب مین نے کیا ہے، وہ آپ کے سامنے ہے، علماء قدیم کے حلقون مین اگرچہ شیخ اکبر کی ذات والا صفات کسی تعریف سے یقیناً مستغنی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ آپ کی اس مجلس مین قدیم عناصر کے ساتھ جدید استعدادات بھی ملے جلے ہین، ہو سکتا ہے، کہ ان مین بعض حضرات کے لئے ان کا نام نیا ہو، اس لئے کام سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے نام کا تعارف کرا لیا جائے اور اب تو جدید کے ساتھ علماً

---

[1] گذشتہ سال سے پیوستہ سال انڈین اورنٹیل کانفرنس کا سالانہ اجلاس حیدرآباد ہی مین جامعہ عثمانیہ کی زیر نگرانی منعقد ہوا تھا، خاکسار نے بھی اس کانفرنس مین ایک مختصر مقالہ پڑھا تھا، اسی کا مسودہ پڑا ہوا تھا، آج خیال آیا کہ معارف مین بھیج دون شاید کسی کے لئے سیف کو اور بعض لہ ذکری الکلام

کا قدیم طبقہ بھی جہاں تک میں جانتا ہوں شیخ اور ان کے کارناموں سے تقریباً نامانوس ہو چکا ہے، اس تعارف کی ضرورت اس وجہ سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے،

شیخ اکبر کا اجمالی تعارف

مرسیہ جو اندلس کے مشرقی علاقہ کا ایک مشہور شہر ہے، حضرت شیخ کی ولادت اس شہر میں ۵۶۰ھ میں ہوئی اندلس کا یہ وہ زمانہ ہے، جب اسلامی دولت اس سرزمین میں اپنے بچے کھچے وقار و اقتدار کو بھی ختم کر رہی تھی، ملک میں عام طور سے طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، تھوڑے تھوڑے دن کے بعد مختلف علاقوں میں مختلف خاندانوں کی حکومتیں قائم ہو ہو کر ختم ہوتی رہتی تھیں، بدامنی فتنہ و فساد کا ہر طرف بازار گرم تھا، چاہئے تو یہی کہ بے اطمینانی کے ایسے دور میں علم و کمال کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ ملے، لیکن قدرت کا شاید یہ بھی قانون ہے کہ سحر کا چراغ دم توڑنے کے لئے جب آخری دفعہ بھڑکتا ہے، تو اس کی اسی روشنی میں بسا اوقات بعض عجیب و غریب ہستیاں نمایاں ہوئی ہیں،

ہندوستان میں شاہ ولی اللہؒ، مغرب میں ابن خلدون اس نظریہ کی بہترین مثالیں ہیں،

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی میں موت کے اسی افاقہ کا ایک عجیب و غریب منظر سمجھتا ہوں، یہ واقعہ ہے کہ جس جامعیت کو ہم شیخ اکبر میں پاتے ہیں، اسلامی علماء و صوفیا کی طویل الذیل تاریخ میں اس کی نظیر صرف مشکل ہی نہیں، بلکہ غالباً ناممکن ہو، اُس زمانہ کے مروجہ علوم خواہ عقلی ہوں یا نقلی، ادبی ہوں یا دینی، شیخ کی کتابیں بتا سکتی ہیں، کہ مشکل ہی سے کوئی ایسا علم یا فن اس زمانہ میں پایا جاتا ہو گا جس سے صرف معمولی لگاؤ نہیں، بلکہ تحقیقی رشتہ قائم نہ تھا،

شیخ کے تصنیفات کی تعداد

یوں تو ان کی کتابیں حدِ شمار سے باہر ہیں، لیکن حروب صلیبیہ کے بطل اعظم سلطان صلاح الدین نار اللہ برہانہ کے صاحبزادے جن کا ذکر شیخ نے خود اپنی کتاب فتوحات مکیہ کی جلد ۴ ص ۵۰۰ میں بایں الفاظ کیا ہے،

"بعض بادشاہوں کے پاس میری بات سنی جاتی تھی، اور یہ حلب کے بادشاہ ملک ظاہر غازی ہیں، خدا کی ان پر رحمت ہو، الناصر لدین اللہ سلطان صلاح الدین بن ایوب کے یہ صاحبزادے ہیں"، (ص ۵۰۰)

شیخ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں نے سلطان سے ایک سو اٹھارہ سفارشیں مختلف معاملات میں کیں، فقضاہا کلہا یعنی ہر بات منظور کی، آگے ایک طویل قصہ ہے، جس کے ذکر کی حاجت نہیں، مجھے کہنا یہ ہے کہ اسی سلطان غازی کو شیخ نے ایک علمی سند دی تھی، جسے مشہور لغوی عالم مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس نے خود دیکھا تھا، صاحب قاموس کا بیان ہے کہ اپنی تصنیفات کی اجازت کے سلسلہ میں کتابوں کے نام درج کرتے ہوئے

عدّ منیفا و اربعمائۃ مصنف (مقدمہ فتوحات) شیخ نے چار سو سے اوپر کتابیں شمار کی ہیں،

ان میں بعض ایسی کتابیں بھی ہیں مثلاً فتوحات مکیہ جو مصر و قسطنطنیہ میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے چار جلدوں میں یہ کتاب ہے ابتدا کی دو جلدیں تقریباً ہزار ہزار صفحات پر ختم ہوئی ہیں، اور آخر کی دو جلدیں سات سات سو صفحات پر مشتمل ہیں، گویا چار سو سے اوپر کتابوں میں سے صرف یہی ایک کتاب تین ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اسی سے ان کی دوسری کتابوں کا اندازہ کیجئے،

صاحب قاموس نے ان کی ایک تفسیر کا بھی ذکر ان الفاظ میں کیا ہے،

"جن میں ان کی کبیر تفسیر بھی ہے، جو سورۂ کہف کی آیت وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا تک پہنچ کر رہ گئی کہ شیخ کی وفات ہو گئی، اس وجہ سے پوری نہ کر سکے، یہ ایک ایسی تفسیر ہے جس کا ہر حصہ اور اس کی ہر جلد ایک ایسے دریا کی شکل رکھتی ہے جس کا کنارہ نہ ہو" (صفحہ ۶)

اور غالباً یہی تفسیر شیخ کی ہو جس کا ذکر البطل الغازی المجاہد صاحب السیف والقلم الامیر عبد القادر الجزائری نے اپنی کتاب "المواقف" میں بایں الفاظ کیا ہے :-

"معلوم ہو کہ ایک تفسیر شیخ محی الدین بن عربی کی پائی گئی ہے، جس کا نام کتاب الجمع والتفصیل فی اسرار التنزیل ہے، اور مقدار اس کتاب کی (۶۰) چھ سو ۶۰ جلدیں ہیں،" (مواقف ص ۲۲۲)

الجزائری نے یہ بھی لکھا ہے کہ مصر میں سورۂ کہف تک اس تفسیر کے اجزاء ملے ہیں، "واللہ اعلم بالصواب" جس شخص کے لکھنے کا یہ حال ہو، کہ فتوحات مکیہ جب لکھ رہے تھے تو

"جہاں کہیں ہوتے (غالباً سفر و حضر ہر جگہ) روزانہ تین کراسہ (جز) لکھا کرتے تھے"،

اور اس کا اعتراف تو انھوں نے خود کیا ہے، کہ

"اپنی تصنیفوں میں سے کسی تصنیف کا میں نے مسودہ نہیں لکھا یعنی بس جو مسودہ ہوتا تھا، وہی مبیضہ بھی تھا"

جس کے یہی معنی ہوئے کہ ان کی کتابیں عموماً برداشتہ قلم لکھی گئی ہیں، اور اس کا پتہ خود ان کی کتابوں سے بھی کچھ چلتا ہے جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے،

بہرحال ان کی اسی ایک کتاب فتوحات مکیہ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اپنے زمانہ کے کسی علم میں ان کا پایہ معمولی نہ تھا، اگرچہ ظاہر ہے کہ ان پر اصلی مذاق جس علم کا غالب تھا، وہ تصوف ہی کا فن ہے، اور دنیا میں عام طور پر ان کی شہرت ایک صوفی عالم ہی کی حیثیت سے ہے بھی، شیخ کے ان سارے علمی اور قلمی مجاہدات کے پیچھے کیا چیز عمل کر رہی تھی، میں نے اس کا کچھ ذکر اپنے اس عربی مقالہ میں بھی کیا ہے، ان کے دل میں جس چیز کی آگ لگی ہوئی تھی، اور اسی سوزش کو ان عجیب و غریب کتابوں کا میں سبب قرار دیتا ہوں، کچھ اس کا اندازہ ان کے منظوم خط سے بھی ہوتا ہے، جو روم (ایشیائے کوچک) کے سلطان عزالدین کیکاؤس کے ایک مکتوب کے جواب میں انھوں نے لکھا ہے، شیخ نے اپنے اس خط کو فتوحات ج ۴ کے ص ۶۹۲ مطبوعہ بولاق مصر میں درج فرمایا ہے خط منظوم ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں :-

کتبت کتابی والدموع تسیل ۔۔۔ وما لی الی ما ارتضیہ سبیل

میں اپنا خط لکھ رہا ہوں اور آنسو بہ رہے ہیں ۔۔۔ اور میرے بس میں نہیں ہے کہ ان کو راضی کر دوں

ارید اری دین النبی محمداً ۔۔۔ یقاہر و دین المبطلین یزول

چاہتا ہوں میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو دیکھوں کہ وہ بلند کیا جائے، اور جھوٹوں کا دین مٹ جائے

فلم ار الا الزور یعلو واھلہ ۔۔۔ یعزون والدین القویم ذلیل

مگر بجز بناوٹی سخن سازیوں کے اور اس کے کاروبار کرنے والوں کے سوا کسی کو معزز ہوتے ہوئے نہیں پا رہا ہوں

فیا عز دین اللہ سمعاً لناصح ۔۔۔ شفیقاً فنصاح الملوک قلیل

اے اللہ کی دین کی عزت ایک بہی خواہ کی نصیحت سن، جو تجھ پر مہربان ہے یاد رکھ کہ بادشاہوں کو نصیحت کرنے والے کم ہیں

وحاذر ربنا ثید الالہ بطانۃ ۔۔۔ یشیر بامر ما علیہ دلیل

اور بچو اللہ کی مدد سے ایسوں کو رازدار بنانے سے، جو اشارے ایسی باتوں کی طرف کرتا ہو جس کی دلیل نہ ہو،

ان اشعار سے شیخ کے باطنی محرکات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان کے مولد یعنی اندلس پر کفر کا تسلط دن بدن

بڑھتا جارہا تھا، اور جیسا کہ ان کا خیال تھا جس کا ذکر مختلف مقامات مین انھون نے کیا بھی ہے یعنی ان ساری تباہیون کی ذمہ داری اسلام کے سلاطین اور علماء کے سرعائد ہوتی ہے، مختلف مضامین لکھتے لکھتے کہین ان کے قلم سے ان پوشیدہ جذبات کا اظہار ہوجاتا ہے، خود اپنے وطن اندلس کو خیرباد کہہ کے جب وہ مشرقی ممالک کی طرف چلے آئے، اور اس طرح آئے جیسا کہ ان کے سوانح نگار نے لکھا ہے :-

"اپنے وطن مرسیہ سے شیخ ۵۹۸ھ میں اشبیلیہ روانہ ہوئے، اور ۵۹۹ھ تک وہین رہے، پھر اس کے بعد مشرق کی طرف روانہ ہوئے، حج کے ارادے سے جس کے بعد پھر اندلس واپس نہ ہوئے"

اندلس سے روانہ ہوکر جب جبل الطارق کی آبنائے کے پاس آئے ہین تو سبتہ نامی شہر مین ان کی ملاقات ایک درویش سے ہوئی، اس ملاقات مین شیخ کا ان سے جو مکالمہ ہوا ہے، اس کا ذکر ان الفاظ مین فرمایا ہے :-

سمندر کے آبنائے کے پاس سبتہ میں بعض صالحین کے یہان حاضر ہوا، مجھ مین اور حکومت مین بعض ایسی باتین ہوئی تھین جن کا نتیجہ قلب کی تنگی تھی، اور قدر و منزلت جس سے گرتی تھی، ان بزرگ کو اس کی خبر تھی، مجھ پر ان کی جب نظر پڑی، تو بولے کہ بھائی ایسا آدمی ذلیل ہوجاتا ہے، جس کی اعانت کوئی ظالم نہ کرے، مین نے عرض کیا کہ جی ہان ایسا بادشاہ بھی گمراہ ہوجاتا ہے، جس کی رہنمائی کوئی عالم نہ کرے، بزرگ نے فرمایا کہ نرمی نرمی (یعنی ذرا نرمی اختیار کرنا چاہئے) مین نے عرض کیا کہ جی ہان جب تک اصل پونجی پر آنچ نہ آئے، یعنی دین محفوظ ہو، بزرگ نے یہ سن کر فرمایا کہ سچ کہتے ہو، اور خاموش ہوگئے، (ج ۴ ص ۱۰۰)

جہان تک میرا خیال ہے شیخ کی ان ہی تلخ نوائیون اور اندرونی بےچینیون نے ان کو اندلس چھوڑنے پر مجبور کیا، اور مشرق کو انھون نے اپنا وطن بنایا، کیونکہ یہان ان کو بعض ایسے سلاطین مل گئے، جو ان کی باتون پر کان دھرتے تھے، شیخ ہمیشہ ان سلاطین کو اس طرف متوجہ کراتے تھے، کہ علماء سوء کی اصلاح کرو، دین ان ہی کی وجہ سے برباد ہو رہا ہے، فتوحات ہی مین ایک جگہ انھون نے علماء سوء کے متعلق ایک واقعہ درج کیا ہے، اس واقعہ سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سلاطین سے ان کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی، فتوحات ج ۳ ص ۹۱ مین ارقام فرماتے ہین :-

(ہی صلاح الدین ایوبی کے بیٹے ملک الظاہر غازی نے ایک دن مجھے خبر دی، یعنی مجھ سے اور ان سے بعض معاملات کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی، اس وقت انھون نے مجھے بتایا کہ میرے ملک اور میری حکومت مین جو قابل اعتراض باتین ہین، اور جو مظالم ہو رہے ان کے متعلق آپ مجھے منع فرماتے ہین، اور یہ واقعہ ہے کہ جو کچھ اس باب مین آپ کا خیال ہے وہی میرا بھی ہے، کہ یقیناً یہ ساری باتین غلط ہین لیکن سیدی! خدا کی قسم یہ جتنی بری باتین ہین، ان سب کے متعلق فقیہ کا فتویٰ موجود ہے، یعنی ان کی صحت و جواز کا فقیہ (مولوی) نے فتویٰ دے رکھا ہے، ان کے دستخط میرے پاس موجود ہین، تو خدا کی ان ہی پر لعنت ہو۔

شیخ نے الملک الظاہر کے اس بیان کو نقل کرکے پھر اس نیک دل بادشاہ کا یہ بیان نقل کیا ہے :-

"خود ایک مولوی جو فلان صاحب ہین، انھون نے مجھے یہ فتویٰ دیا ہے، سلطان نے اس مولوی کی شخصیت بھی متعین کی وہ اس شہر کے بڑے نامی گرامی فاضل ہین، دین اور مذہب مین سختی ان کا بھی خاص امتیاز ہے ان مولوی صاحب نے (بادشاہ نے کہا کہ) مجھے یہ بتایا ہے کہ مجھ پر خاص رمضان کا روزہ فرض نہین ہے، بلکہ سال کے کسی

ایک مہینہ مین جس مین بھی چاہون، روزہ رکھ سکتا ہون (غالباً مولوی کی تاویل یہ ہو کہ بادشاہون کو خصوصاً اس زمانہ مین جنگی مہمون مین مشغول رہنا پڑتا تھا، اس وجہ سے آج یہان کل وہان مارے مارے پھرتے تھے، یہ سفر کی حالت ہے، اور مسافر روزون کو رمضان سے موخر کرسکتا ہے" (واللہ اعلم)

شیخ فرماتے ہین کہ اس فقیہ کے اس فتویٰ کا ذکر کرکے الملک الظاہر نے کہا :-

مین نے دل ہی دل مین اس مولوی پر لعنت کی، اور اس پر اس کو ظاہر نہ کیا، مولوی کا بادشاہ نے نام بھی بتایا، خدا ان لوگون پر رحم کرے"

یہی بے دینیان تھین، جو عوام ہی نہین بلکہ خواص امت میں انھیں محسوس ہو رہی تھین، ملک کیکاؤس کے نام ایک طویل خط بھی شیخ نے لکھا تھا جس کو بجنسہ انھون نے فتوحات مین نقل کردیا ہے، شروع مین اس کے لکھتے ہین،

"۶۰۷ھ مین یونان کے شمالی حصہ کا بادشاہ جس کا نام الغالب لامر اللہ کیکاؤس ہے، اس نے مجھے خط لکھا (یونان کے شمالی حصہ سے ایشیائے کوچک کا حصہ مراد ہے، جہان آج ترکون کا پایۂ تخت ہے اسی کو روم بھی کہتے تھے، مولانا روم اسی علاقہ کی طرف منسوب ہین")

خط بہت طویل ہے، فتوحات کے تقریباً ڈیڑھ صفحہ مین آیا ہے اس خط کے آخر مین بھی چند اشعار ہین، جن مین سے بعض شعر یہ ہین، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ملک کیکاؤس نے اپنا سلطانی نام عزالدین رکھا تھا،

اذا انت اعززت الھدی وتبعتہ فانت لھذا الدین عزٌ کما تدعی

اگر دینی ہدایت کو تم سے عزت نصیب ہو، اور اسکی خود بھی تم پیروی کرو تو بیشک تم دین کی عزت ہو جیسا کہ تم پکارے جاتے ہو

وان انت لم تحفل بہ واھنتہ فانت تذل الدین تخفضہ وضعا

اور اگر تم نے دین کو نہین سمیٹا اور اسے ذلیل کیا تو پھر دین کے تم خوار کرنے والے، اور اسے تم نے پست کردیا

فلا تاخذ الالقاب زوراً فانہ لتسئل عنھا یوم یجمعکم جمیعا

پس جھوٹ موٹ کے القاب نہ اختیار کیا کرو کیونکہ جس دن تم لوگ (قیامت میں) جمع کئے جاؤگے، اس کے متعلق پوچھے جاؤگے

ان اشعار مین اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ یہ خطاب تم پر اسی وقت پھبے گا، جب دین کے اعزاز کا کام کرو، نیز

وان قال دین اللہ کنت بملکہ ذلیلا واھلی فی میادینہ صرعی

اللہ سے دین نے اگر کہا کہ مین اس شخص کی حکومت مین ذلیل تھا، اور دیندار لوگ اس ملک مین پچھڑے پڑے تھے، تو قیامت کے دن تمھارا کیا جواب ہوگا،

اور آخر مین اسی بادشاہ کے کسی نائب السلطنت کی طرف ایما فرماتے ہوئے تنبہ کرتے ہین :-

لکم نائب فی الامر اصبح ملحداً واضحی لاھل الدین یقطعھم قطعا

تمھاری حکومت مین تمھارا جو نائب ہے وہ بے دین ہوگیا ہے، ارباب دین کو اس نے ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیا ہے

پھر اسی بادشاہ کا جو دوسرا خطاب الغالب لامر اللہ ہے، اس سے نفع اٹھاتے ہوئے کہتے ہین :-

فمالک لن تغلبہ واسمک غالبا ومالک لم تعزلہ اذا ثر النفعا

آخر تم اس پر غالب کیون نہین ہوتے حالانکہ نام تو تمھارا غالب ہے اس کو معزول کیون نہین کرتے وہ گرد تو اڑا چکا ہے

الغرض یہ اور اسی قسم کی مختلف شہادتون سے جن کا ذکر اس مختصر مقالہ مین موجب طوالت ہوگا، مین اس نتیجہ پر پہنچا ہون کہ شیخ کا عہد جس مین اسلام کے مغربی ممالک پر یورپ سے اور مشرقی ممالک پر تاتار سے کفر کے بادل امنڈ امنڈ کر آگ برسا رہے تھے، اور اسلام کی جو وقعت قلوب مین تھی، دن بدن اس کی دیوار کمزور ہوتی چلی جارہی تھی، نہ صرف عوام بلکہ مسلمانون کے خواص جن مین علماء و سلاطین و امراء سب ہی شریک تھے، اپنی اپنی ایمانی قوتون کو کھوتے چلے جارہے تھے، قرآن اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کا تعلق کمزور ہوتا چلا جاتا تھا، اور اسی کے یہ نتائج تھے، جن کا ذکر شیخ نے اپنے مذکورہ بالا بیانات مین فرمایا ہی،

حضرت شیخ نے، جہان تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ فکر و غور کے بعد ان امراض کا سراغ لگالیا تھا جو مسلمانون کو دین سے دور کرنے کے اسباب تھے، اور بجائے جدل یا مولویون کے عام مناظرانہ عقیم طریقون کے انھون نے ان امراض کے علاج کے متعلق کچھ تدبیرین سوچ کر اختیار فرمائی تھین، جیسا کہ مین نے عرض کیا، ان کی عام کتابون کی تعداد تو چار سو سے بھی متجاوز ہے، اور تفسیر کی چھ سو ساٹھ جلدون کو اگر ان کے ساتھ ملالیا جائے، تو ظاہر ہے کہ یہ تعداد دونی سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے مگر تفسیر پر تو میری نظر نہین پڑی، ان کے سوا سچی بات تو یہ ہے کہ بجز ایک دو کے عموماً ان کی کتابون کے مضامین ایک ہی قسم کے ہین، اجمالاً و تفصیلاً مختلف پیرایون مین وہ انھی مجوزہ علاجی تدبیرون کو دہرا دہرا کر بیان فرماتے ہین،

منجملہ ان کلی امور کے جن پر شیخ نے اپنی کتابون مین سیر حاصل بحثین فرمائی ہین، علم کا مسئلہ بھی ہے وہی جس کی تعبیر موجودہ اصطلاح مین تھیوری آف نالج (Theory of Knowledge) کے الفاظ سے کرتے ہین، مطلب یہ ہو کہ دین سے بغاوت کا وہ حصہ جو علم کے جھوٹے ادعا پر مبنی ہے، شیخ نے چاہا ہے کہ لوگون کو یہ بتایا جائے کہ خود اس "علم" اور "دانش" کی حقیقت کیا ہے، ہم یہ جانتے ہین، وہ جانتے ہین، اور اپنے اسی جاننے کی بنیاد پر نہ سوچنے والون کے قلوب مین دین کا جو احتقار پیدا ہوتا ہے، شیخ نے سمجھانا چاہا ہے کہ تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا، کہ خود یہ جاننا کیا چیز ہے، اور تمھارے اس "جاننے" کی رسائی کا آخری نقطہ کیا ہے، یہ واقعہ ہے کہ آدمی پر جب اپنی "دانش" کی اصلی حقیقت کھل جاتی ہے، تو وہ سارا نشہ کر کرا اور پھٹ کر جوا ہو جاتا ہے، جس کے شکار عموماً وہی لوگ ہو جاتے ہین، جو تھوڑا بہت لکھنے پڑھنے کے بعد ہر چیز کی تنقید اپنے علم کی روشنی مین کرنا چاہتے ہین، لیکن علم و جہل کے سلسلہ مین آدمی کا جو صحیح مقام ہے، جب وہ اس پر واضح ہو جاتا ہے، تب سمجھ مین آتا ہی کہ

ع معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

اس مسئلہ کو شیخ نے فتوحاتِ مکیہ و فصوص الحکم وغیرہ میں مختلف اسالیب مین ادا کیا ہے، سب کو اگر جمع کیا جائے اور ان شاء اللہ جب وقت آئے گا تو وہ جمع کئے جائین گے، تو مین شاید مبالغہ نہین کر رہا ہون، کہ محض اس ایک مسئلہ کے متعلق ان کے خیالات و نظریات ہزار ڈیڑھ ہزار صفحات کی گنجایش سے کم کے متقاضی نہ ہون گے، خصوصاً شیخ کا جو ایک خاص طریقہ ہے، یعنی وہ اپنے مسودہ پر نظر ثانی نہین کرتے، اور قلم اٹھا کر لکھتے چلے جاتے ہین، اس لئے کہین کہین اس کا شبہہ بھی ہوتا ہے، کہ ان کے کلام مین تضاد ہے، کامل بحث کرنے والے کو ضرورت ہوگی کہ سلسلہ کے ساتھ ان کے کلام کے مختلف اجزاء کو ایک خاص ترتیب کی شکل مین سمیٹے، جہان تک میرا تجربہ ہے اس تدبیر سے ان کے کلام مین بظاہر تناقض جو محسوس ہوتا ہے، عموماً وہ اٹھ جاتا ہے، ماسوا اس کے ایک بات یہ بھی ہے کہ شیخ بھی بہرحال آدمی ہین، اور آدمی کے خیالات مین کچھ، رد و بدل اتار چڑھاؤ تو ہوتا ہی رہتا ہے، ہوسکتا ہے، کہ اپنی کسی کتاب مین انھون نے ایک خیال ظاہر کیا ہو، لیکن بعد کو ان کا خیال بدل گیا ہو، فتوحات مین اپنے خیال کی اس تبدیلی کا ایک دلچسپ قصہ خود ہی انھون نے نقل فرمایا ہے ان کے

اس خیالی انقلاب کی نوعیت پر چونکہ روشنی پڑتی ہے، اس لئے تذکرہ کرتا ہون فرماتے ہین :-

"مین ان لوگون مین تھا، جو عورتون کو سخت ناپسند کرتے تھے، اور پھر اسی اصول پر اٹھارہ سال تک قائم رہا، اس طریقہ (یعنی طریقۂ صوفیہ) مین جب ابتداءً داخل ہوا تو میرا بھی یہی خیال تھا"

(فتوحات ج ۴ ص ۱۰۶ مطبوعہ بولاق مصر)

گویا اٹھارہ سال تک ایک خاص خیال کا ان پر تسلط رہا، اس کے بعد ایک طویل بحث کے بعد اپنے اس خیال مین تبدیلی کے اسباب و وجوہ کا تذکرہ کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہین،

"مگر اب بحمد اللہ عورتون کی یہ نفرت مجھ سے نکل گئی ہے، اور خدا نے عورتون کو میرے لئے محبوب بنا دیا ہے، اور اب مین ان لوگون مین ہون، جو عورتون پر سب سے زیادہ مہربان ہین، اور ان کے حقوق کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتے ہین، مین اب اس معاملہ مین بصیرت پر ہون، یہ بات خدا کی طرف سے ہو یعنی اسی نے عورتون کو میرے لئے محبوب بنا دیا ہے، یہ بات کوئی طبیعت کا اقتضا نہین ہے" (ج ۴ صفحہ ۱)

جہان تک میرا خیال ہے شیخ جب تک یورپ (اندلس) مین رہے اور اندلس کے صوفیہ پر قرب مکانی کی وجہ سے کچھ نہ کچھ عیسائی رہبان اور تارک الدنیا فقراء کا اثر پڑتا ہی ہوگا، اور ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب مین عورت ہی پر ان سارے مصائب کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، جن مین آدم اور اولاد آدم اس خاکدان ارضی مین مبتلا ہے، ارباب کلیسا کا فتوی ہی یہ تھا، کہ عورت صرف گندگی اور نجاست ہے، وہ شیطان ہے، اس مین روح نہین ہے، بلکہ باوجود ان حالات کے جن کا مظاہرہ یورپ اس وقت نسائیت کے مسئلہ مین کر رہا ہے، پھر بھی مذہبی طور پر محض یورپ کے عام باشندون ہی پر نہین بلکہ جن بیچارون کے نفس نے شعوری یا غیر شعوری طور پر مغربی اثرات کو اپنے اندر جذب کیا، یا چرا لیا ہے، دنیا مین عورتون کے ساتھ وہ خواہ کسی قسم کا بھی تعلق رکھتے ہون، لیکن دیکھا یہی جارہا ہے، کہ آنی والی آخرت کی زندگی مین عورتون کا تخیل ان کے لئے ناقابل برداشت بنا ہوا ہے، اور یہی وجہ ہے، کہ قرآنی جنت کے سلسلے مین دوسری چیزون کے ساتھ جون ہی عورتون کا ذکر آتا ہے، ان کی پیشانیون پر شکن پڑ جاتی ہے، بجز اس نفسیاتی سبب کے کہ عیسائی ذہنیت جنت مین عورت کے تخیل کو برداشت نہین کرسکتی، گویا عورت کے ذکر کے ساتھ ہی خدا کی پاک بہشت ان کی نگاہون مین حیوانی جنت کی قالب مین ڈھل جاتی ہے، سوچنے والون نے کبھی اس پر بھی غور کیا، کہ اس کی وجہ اور کیا ہوسکتی ہے، کیا جنت اور دوزخ کے مسائل بھی سائنس اور کیمسٹری کے حدود مین آتے ہین، یا آسکتے ہین،

خیر یہ تو ایک ذیلی مسئلہ ہے مین یہ کہہ رہا تھا کہ شیخ کے خیالات مین تبدیلیان بھی ہوئی ہین، اس سے بڑھ کر اس کا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے، کہ اٹھارہ سال تک ایک خیال پر شیخ جمے رہے، لیکن مشرق کی زندگی نے ان پر ثابت کی، کہ جنت تو عورتون ہی کے قدمون کے نیچے ہے، پھر ان کی رائے اس باب مین بدل گئی، شیخ نے اس مسئلہ پر اپنی کتاب کے مختلف مقامات پر بڑی دلچسپ بحثین فرمائی ہین، جن کے ذکر کا یہ موقع نہین، ہی،

اسی کے ساتھ شیخ کے متعلق ایک اور بات کا ذکر بھی ضروری خیال کرتا ہون، ان کا ایک خاص طرز یہ ہے کہ اپنے مختلف مضامین کا مخاطب انھون نے مختلف طبقے کے لوگون کو قرار دیا ہے، ان کا نظریہ ہی یہ ہے جیسا کہ حدیثون مین بھی آیا ہو کہ کلموا الناس علی قدر عقولھم ایک یہ وجہ بھی ہے جو ان کے کلام سے بعض دفعہ لوگون مین الجھن پیدا ہونے لگتی ہو دوسرو

ہوتا ہے کہ آخر وہ کہنا کیا چاہتے ہیں، شیخ نے ایک مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے فتوحات ہی میں لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کے مفتی جن کا نام انھون نے ابوعبداللہ محمد بن ابی الصیف الیمنی نزیل مکہ بتایا ہے، ان مفتی صاحب کے سامنے ان کی کتاب جس کا نام "مشاہد قدسیہ" ہے، اس کی ایک ایسی عبارت پیش کی گئی، جو اپنے عنوان اور تعبیر مین کچھ وحشت رکھتی تھی، شیخ کو مفتی نے بلا کر دریافت کیا آپ نے اس کی ایک لطیف توجیہ کی لکھتے ہین کہ سننے کے ساتھ،

"وہ بڑا خوش اور مسرور ہوا، خدا اس پر رحم کرے"

مفتی کو انھون نے کو مطمئن فرما دیا، لیکن اس کے بعد لکھتے ہین کہ اس عبارت کا ایک اور دقیق پہلو بھی تھا، مین نے اس پہلو کا ذکر اس لئے اس مجلس مین نہین کیا، کہ وہ نہ اس کو برداشت کر سکتا تھا، اور نہ اس کا انکار کر سکتا تھا"

اس لئے اندیشہ تھا کہ جھنجلا کر خواہ مخواہ بگڑ نہ بیٹھے، شیخ نے اس کے بعد ارقام فرمایا ہے، کہ

"اس کے پاس نہ تو قوی ایمان ہی تھا، اور نہ علم اور سلامت نظر تھی، وہ حیران ہو کر رہ جاتا اسی لئے مین نے اس کے سامنے ایسی بات کی جو اسکے عقلی مزاج کے مطابق تھی"

بہر حال اگر ان اجمالی نکات کو بھی پیش نظر رکھ لیا جائے، تو شیخ اکبر کے کلام مین اس قسم کی پیچیدگیان جو محسوس ہوتی ہین وہ انشاء اللہ بآسانی زائل ہو سکتی ہین، اور سچی بات تو یہی ہے کہ ان کے کلام کے سمجھنے اور اس سے استفادہ کے لئے جیسا کہ شیخ نے خود بھی لکھا ہے، ایمان قوی اور نظر سلیم کے ساتھ ضرورت ہے کہ علم مین ذرا وسعت ہو، محدود معلومات والے تنگ نظر لوگون کے لئے بسا اوقات ان کی باتین نقصان رسان ہو جاتی ہین، لیکن یہ ان کے کلام کا نہین پڑھنے والون کا نقص ہے،

اب ان تمہیدی باتون کے بعد جو باوجود ارادۂ اختصار کے کافی طویل ہو گئین، اصل مسئلہ کا ذکر حتی الوسع اجمال کو پیش نظر رکھ کر کرنا چاہتا ہون کہ اجمال سے زیادہ کا یہ موقع بھی نہین ہے، خدا کرے میری کتاب وہ مکمل ہو جائے، جسے شیخ کے متعلق لکھنا چاہتا ہون، کہ تفصیل وبسط کا صحیح مقام وہی کتاب ہو سکتی ہے، واللہ یوفق لما یحب ویرضیٰ، (باقی)

خط وکتابت کے لئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط وکتابت شخصی نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے پتہ سے، اور معارف اور دار المصنفین کے انتظامات اور فرمائشات کے متعلق منیجر صاحب دار المصنفین کے نام سے کی جائے، ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل مین دقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائین گے

سید سلیمان ندوی

واگھ بھٹ یا شفائے محمودی

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی (ریسرچ اسکالر) گجرات ورنیکلر سوسائٹی احمد آباد

ان دنون ایک نئی کتاب ہمارے کتب خانہ (گجرات ورنیکلر سوسائٹی احمد آباد) مین داخل ہوئی ہے، اوس کا نام شفائے محمودی ہے زبان فارسی، خط واضح نستعلیق ½ ۸ انچ طویل، اور پانچ انچ عریض، کل اوراق پانچ سو، کاغذ دبیز غالباً یمنی ہے، کتاب سنسکرت مین تھی، اس کے مصنف کا نام "واگھ بھٹ" ہے، ہندوستان مین واگھ بھٹ متعدد ہوئے ہین لیکن سب سے زیادہ شہرت اسی حکیم (دید) کی ہے، اس کا اصلی وطن سندھ ہے، اس کے باپ کا نام "سینھ گپتا" اور دادا کا واگھ بھٹ تھا، یہ برہمن خاندان علم وفضل کے باعث مشہور تھا، اور طب مین ید طولیٰ رکھتا تھا، اس کی شہرت کے باعث اس کی طرف بہت واقعات منسوب ہین ہندوستان مین طب کی آٹھ شاخین تھین، ہر طبیب ایک شاخ کا ماہر ہوتا تھا، اور صرف اسی کا علاج کرتا تھا، اور اپنے تلامذہ کو اسی کی تعلیم دیتا تھا، واگھ بھٹ نے اس مسئلہ پر غور وخوض کے بعد یہ رائے قائم کی، کہ ان آٹھون کو ایک ہی جگہ جمع کر کے یکجا تعلیم دی جائے، تو ایک بید (طبیب) مجمع اوصاف ہو گا، چنانچہ اس نے اسی مقصد کو مدنظر رکھ کر تعلیم دینی شروع کر دی، اور کئی کتابین لکھین، یہ ماہر طبیب کس سنہ مین تھا، تاریخ سے اس کا کچھ پتہ نہین چلتا، اس کے خاندانی حالات بھی لوگون کو صرف اسی قدر معلوم ہین، جس قدر اوس نے اپنی کتاب مین تحریر کر دئے، چینی سیاح ہونگ شیانگ نے ایک مقام پر ذکر کیا ہے، کہ طب کی آٹھ شاخین تھین جس کی الگ الگ تعلیم ہوتی تھی، ابھی ایک آدمی نے ان سب کو جمع کر دیا ہے، اور اب ہندوستانی بید (طبیب) اسی کی تعلیم دیتے ہین، اور اپنے تجربات اسی سے بڑھاتے ہین، اور چونکہ اس سے پہلے اس قسم کی کوئی کتاب جو آٹھون قسمون کا مجموعہ ہو نہین تھی، اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ چینی سیاح کا مطلب اسی واگھ بھٹ کی کتاب سے ہے، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سیاح سے کچھ ہی پہلے یہ ماہر طبیب گذرا ہے، اسی لئے عام طور پر یہ مان لیا گیا ہے، کہ وہ چھٹی یا ساتوین صدی عیسوی کا ہے[1]،

واگھ بھٹ کی مشہور ترین تصنیف صرف دو ہین (۱) اشٹ انگ ہردی (۲) اشٹ انگ سنگرہ، شفائے محمودی اسی آخر الذکر کتاب کا ترجمہ ہے، کتاب کے مترجم کا نام علی محمد بن اسماعیل اساولی اصیلی ہے، چنانچہ دیباچہ مین ہے:-

"می گوید مترجم این طب مقبول ومبین غوامض این کتاب مامول ومعمول، بندۂ دعاگوے بارگاہ علی محمد بن اسماعیل اساولی اصیلی اصلح اللہ شانہ ....."

شہر احمد آباد کی تعمیر سے پہلے "اساول" متوسط درجہ کا شہر تھا، بیرونی نے لکھا ہے، کہ تجارت کا مرکز ہے، کھنبائت سے پٹن (پایۂ تخت گجرات) کو جو تجارتی قافلہ جاتا ہے، وہ یہان سے ہو کر جاتا ہے، یہ درحقیقت بھیلون کا پایۂ تخت تھا، سلطان احمد شاہ کے ابتدائی عہد ۸۱۳ھ مین یہان آسا بھیل راجہ تھا، جو اپنی ترک تازیون سے لوگون کو پریشان رکھتا، اس لئے احمد شاہ نے اس سے یہ مقام چھین کر اسی سے متصل ایک نیا شہر احمد آباد کے نام سے آباد کیا، ابتدا مین دونون شہر علاحدہ رہے لیکن

---

[1] ہسٹری آف انڈین میڈیسن مولفہ ڈاکٹر ہرنل،

آخر مین اساول احمد آباد کا ایک محلہ ہوکر گم نام ہوگیا، اور آج کل صرف ایک حصہ "آسا بھیل کا ٹیکرہ" کے نام سے مشہور ہے، جو قدیم روایات کی یاد تازہ کرتا ہے، اس مقام کے باشندے اپنے کو آساولی کہتے تھے، مترجم کتاب علی محمد اسی جگہ کے رہنے والے تھے، مترجم موصوف کے نام کا آخری جز "اصیلی" ہے، مراۃ احمدی مین ہے کہ :-

"وضابطہ ارباب التحاویل آنکہ تحویلدار باید کہ بندہ ہاے بادشاہی باشند و مشرف اصیل ......"[1] الخ

یعنی تحویلداری کا دستور اس طرح تھا کہ تحویلدار شاہی غلام ہو تو محرر اصیل و بالعکس، اس بنا پر جو لوگ سرکاری محکمۂ تحویل مین ہوتے، تو امتیاز کے لئے اپنے کو اصیلی کہتے تھے، غالباً ان کا خاندان اسی نام سے مشہور تھا، اسی لئے اپنے کو اصیلی لکھا ہے، علی محمد صاحب حکیم بھی تھے، چنانچہ دیباچہ مین لکھتے ہین :-

"کہ این بندۂ دعاگو کہ در محل تمہید درین علم، حکمت وطب قیام دادہ" الخ

اس کتاب کے ترجمہ کا کس طرح اتفاق ہوا، اس کے متعلق لکھا ہے کہ بعد فتح جنگ "جگت دوار کا"، مصطفیٰ آباد (جونا گڑھ)[2] مین سلطان محمود مقیم تھا، اس نے حکم دیا کہ واگھ بھٹ کے مجربات کا جو اطباے ہند کے نزدیک معتبر اور مجرب ہین، ہندی (سنسکرت) سے پارسی مین ترجمہ کر ڈالو، تاکہ لوگ عام طور سے اس سے مستفید ہون اور غیرون کے محتاج نہ رہین،

بندہ بعد اداے شرط خادمانہ اس کام مین مصروف ہوگیا، اور اس کتاب کا نام شفائے محمودی رکھا الخ، لیکن ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ مترجم نے خود مختلف مقامات پر اس کے مختلف نام لکھے ہین، دیباچہ مین اس نے شفائے محمودی لکھا ہے، اصل کتاب (واگھ بھٹ) کی ابتدا کرتے ہوئے تحریر کیا ہے، آغاز طب محمود شاہی، پھر دفتر اول کے اختتام پر اس کا نام کتاب طب شفائے محمود شاہی بتایا ہے، لیکن عام طور سے یہ شفائے محمودی ہی کے نام سے مشہور ہے،

"جگت دوار کا" کاٹھیاوار کے آخری نقطہ پر راس کی شکل مین واقع ہے، جس کو بر و بحر دونون سے تعلق ہے، یہ ہندوؤن کے قدیم پاک اور قابل زیارت شہرون مین سے ہے، یہان کا راجہ خود مختار ہوتا تھا، گجراتی حاکمون کی سیادت براے نام تسلیم کرتا تھا، سلطان محمود اعظم کے وقت مین چونکہ بحری تجارت بہت ترقی کر گئی تھی، اس لئے جہازون کی آمد و رفت بکثرت رہتی، یہ راجہ موقع پاکر ان کو لوٹ لیتا، چنانچہ مولانا محمود سمرقندی دکن سے اپنے وطن کو جارہے تھے، کہ ان کا جہاز لٹ گیا، ان کی عورتین گرفتار کر لی گئین، یہ پیدل دو بچون کو لے کر جونا گڑھ پہونچے، اور دربار شاہی مین فریاد کی، سلطان محمود نے راجہ کی اس حرکت سے ناخوش ہو کر تری اور خشکی دونون طرف سے حملہ آور ہو کر اس شہر کو فتح کر لیا، یہ واقعہ ۸۷۸ھ کا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ترجمہ ۸۷۸ھ مین ہوا، موجودہ مخطوطہ کے پہلے مقام کے آخر مین تحریر ہے :-

"کتبہ العاصی محمد عزت اللہ بتاریخ ۶ شہر شعبان المعظم ۱۱۹۲ھ"

اس سے معلوم ہوا کہ آج سے ایک سو ستر سال قبل زیر تنقید مخطوطہ تحریر ہوا ہے، اس کی ابتدا یون ہوتی ہے :-

"ان احکم ما تعنیہ بہ حدیث التصنیف وتداوی بخاصیتہ المجربۃ حب التالیف"

اور آخر مین ہے :-

"وبعضے خشن باشد، و نیز سُرخ باشد و تپ سخت و داو بسیار پدید کند"

اس ترجمہ مین شاہی حکم سے چند پنڈت بھی شریک تھے، اغلب ہو کہ وہ گجرات کے ناگر ہون گے، جو فارسی دان ہوتے

[1] مراۃ احمدی جلد اول ص ۱۰۴ کلکتہ، [2] مراۃ سکندری ص ۹۰ بمبئی،

کے باعث سرکاری دربار مین دخیل تھے، لیکن یہ انتہائی افسوس کی بات ہو کہ مترجم کے ان پنڈتون کے نام تحریر کرنے مین انتہائی بخل سے کام لیا ہے، مترجم نے اس کتاب کو سلطان محمود اعظم کے نام سے معنون کیا ہے، جو سلطان احمد بانی احمد آباد کا پوتا تھا، گجرات مین عام طور سے اس کو محمود بیگڑہ (بیگ ڑہ) کہتے ہین، اور بیگڑہ کا صحیح ترین ترجمہ ذوالقرنین ہے، یعنی بیلون کی سینگون کی طرح لمبی لمبی دو مونچھون والا، اس بادشاہ نے گجرات مین ۵۵ برس بڑے امن و عدل کے ساتھ حکومت کی، اس نے ایک محکمۂ تالیف و تراجم کا قائم کیا تھا، چنانچہ تاریخ ابن خلکان، شفا، مشکوٰۃ شریف اور محمود شاہی وغیرہ کا ترجمہ فارسی مین اسی عہد مین ہوا،[1] اسی محکمہ کے ماتحت یہ کتاب (شفائے محمودی) بھی سنسکرت سے فارسی مین ترجمہ کی گئی،

واگھ بھٹ کی کتاب ہندستان مین بہت مقبول ہوئی اور اسی لئے اس کی متعدد شرحین لوگون نے کین، مترجم نے بھی ان شرحون سے فائدہ اٹھایا ہے، کیونکہ کسی جگہ شارح کا قول "شارح" کہکر نقل کرتا ہے، اور کسی جگہ بغیر اس کے سوال و جواب کی صورت مین ادا کرتا ہے، اور ایک جگہ شارح کا نام ارون دت بھی تحریر کیا ہے، اصل یہ ہو کہ اس کی کل ۳۴ شرحین لکھی گئی ہین، ان مین دو مطبوعہ ہین، (۱) آتنگ درپن، ہے، جس کا مصنف "واچس پتی" نامی ہے، (۲) آیورویدرسائن ہے، جس کا مصنف "ہماردی" مشہور بید ہے، مگر افسوس ہے کہ آخر الذکر کتاب نامکمل ہو، اور اسی لئے ناقص طبع ہوئی ہے، ان ۳۴ شرحون مین سے ایک شرح کا نام "سروانگ سندرہ" ہے، اسی کا مصنف ارون دت ہے، جس کا ذکر مترجم نے کیا ہے،[2] واگھ بھٹ نے بھی دوسری کتابون سے فائدہ اٹھایا ہے، اسی لئے اپنے عہد سے قبل کے مشہور اور ماہر اطبا کی رائے کا اپنی کتاب مین بار بار ذکر کرتا ہے، چنانچہ چیر بجیج طبیب، اگنی ویش طبیب، آتے رے یہ طبیب اور ہار آبت طبیب کا خصوصیت سے نام لیتا ہو، اس مین سے اگنی ویش طبیب اس قدر قدیم ہے، کہ اس کے عہد کا پتہ چلانا بھی مشکل ہے، اور آج اس کی کوئی کتاب کسی کتب خانہ مین نہین ملتی، لوگون کا خیال ہے، کہ اس کی کتابین دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکین، متاخرین نے اگر اس کے مسائل کا ذکر نہ کیا ہوتا، یا کتابون کا حوالہ نہ دیا ہوتا، تو شاید دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا، کہ اگنی ویش جیسا ماہر طبیب عالم وجود مین آیا بھی تھا،

واگھ بھٹ نے اصل کتاب کی ابتدا یون کی ہے، کہ پہلے شافی حقیقی کی حمد لکھی ہے، پھر کہتا ہے کہ حاذق طبیب اپنے شاگردون کو جو علم طب کی تعلیم دیتے ہین، اس مین بڑا وقت صرف ہو جاتا ہے، اور بہت کتابین مطالعہ کرنی پڑتی ہین، اور اس وقت مروجہ طب کی کل آٹھ قسمین ہین، (۱) تتبع بدن (تشریح) میں (۲) تداوی اطفال (بچون کے علاج) مین (۳) مضرت دیو کے بیان مین، (۴) بیماریون کے علاج مین (۵) تیر، کانٹے، وغیرہ کے زخم کے علاج مین، (۶) زہریلے جانورون کے ڈسنے کے علاج مین، (۷) پری کے علاج مین (۸) قوت باہ کے علاج مین، مین نے ان سب کو یکجا کر دیا ہو اور اس کا نام اشٹانگ ردی کا ئی چکتسا،[3] رکھا، اس کے بعد مصنف نے کتاب کی ترتیب اس طرح بتائی ہے، کہ اس مین چھ استھان (مقام) ہین، جس کے ایک سو بیس ادھیا (باب) ہین، (۱) مقدمہ، اس کے تیس باب ہین (۲) تشریح ابدان اس کے چھ باب ہین، (۳) اسباب و علل امراض، اس کے ۱۶ باب ہین، (۴) معالجات اس کے ۲۲ باب ہین، (۵) دوا سازی اس مین چھ باب ہین (۶) بقیہ امراض کے علاج مین جن کا ذکر نہین ہوا، اس مین ۴۰ باب ہین، اس مختصر فہرست سے جس مین ہر باب کے مضمون کو مختصر عنوان سے بیان کیا ہے، پوری کتاب پر سرسری نظر پڑ جاتی ہے، موجودہ مخطوطہ مین دو مقام

[1] تاریخ گجرات جلد دوم قلمی، [2] آیوروید نو اتہاس ص ۱۶۸، احمد آباد، [3] اشٹ ہشت، ہشت (آٹھ)

تو مکمل ہیں، اور تیسرے مقام کے ۱۹ باب میں سے ۱۳ باب ہیں، اور اس آخری باب کے بھی صرف نو صفحے ہیں، باقی نامکمل ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ کاتب نے لکھا ہی نہیں، کیونکہ آخری صفحہ بالکل سادہ چھوڑ دیا گیا ہے، غالباً یہ کتاب کسی دوسرے نسخے سے متعدد کاتبوں کے ذریعہ نقل کرائی گئی ہے، کیونکہ پہلے مقام کے آخر میں تاریخ تحریر ۲۰ شعبان ۱۱۹۲ھ ہے، اور دوسرے مقام کے اختتام پر ۱۱ رمضان ۱۱۹۸ھ ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے مقام کے چھ برس کے بعد دوسرا مقام منقول ہوا اگرچہ کتاب کا اکثر حصہ خط نستعلیق میں ہے، لیکن اوراق کی خاصی تعداد شکستہ کی بھی شان لئے ہوئے ہے، طب فرشتہ جس کا ذکر معارف ماہ دسمبر ۱۹۴۳ء میں ہوا ہے، واگ بھٹ کی کتاب اس کے ماخذوں میں داخل ہے،

واگ بھٹ نے اپنی کتاب کی ابتداء اخلاط سے کی ہے، عام طور پر اطبائے ہند تین خلطوں کے قائل ہیں، باد، بلغم، صفرا، سودا، کو وہ خلط شمار نہیں کرتے، لیکن واگ بھٹ زیادہ وسیع النظر معلوم ہوتا ہے، غالباً بابلی اور یونانی اطباء کی رائے سے بھی واقفیت رکھتا ہے، اس لئے ان تین اخلاط کی تحریر کے بعد اس نے لکھا ہے کہ بعض لوگ خلط کی چوتھی قسم خون کو بتاتے ہیں خون کا لفظ اس نے استعمال کیا ہے، کہ ان کے نزدیک سودا، سوختہ خون کی ایک قسم ہے، جو باد کی آمیزش سے سرد خشک ہوگئی ہے، انسانی عمر کے اس نے تین حصے کئے ہیں، سن طفولیت، جو ولادت سے سولہ سال تک شمار کیا جاتا ہے، اس میں بلغم کا غلبہ ہوتا ہے، سن توسط جو ستر ہ سال سے ۷۰ سال تک رہتا ہے، اس میں صفرا کا غلبہ ہوتا ہے، سن پیری جس کا سلسلہ آخری عمر تک رہتا ہے، اس میں باد کا غلبہ پایا جاتا ہے، اس بیان سے یہ خیال گذرتا ہے، کہ آج سے ۱½ ہزار سال قبل ہندوستانی باشندوں کی اوسط عمر ستر برس کی ہوتی تھی، جیسا کہ آج انگلستان کے متعلق مشہور ہے، اور اب ہمارا ملک صحت کے اعتبار سے اس قدر گر گیا ہے کہ متقدمین کے وہم میں بھی نہ ہوگا،

مزہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں شیرین ترش، شور، تلخ، تیز، زمخت اور کہتا ہے کہ انھیں کے کم و زیادہ استعمال سے اخلاط میں کمی بیشی ہوتی ہے، اسی کے ساتھ اس کا خیال ہے کہ مرض کا اصلی سبب تیز موسم یا تداخل موسم ہے، اور اس کی مثالوں سے اس نے خوب تشریح کی ہے، طبیب کے لئے چند اوصاف ضروری قرار دیتا ہے، اس کو ذکی اور فہیم ہونا چاہئے، کسی ماہر طبیب کا شاگرد ہونا ضروری ہے، تجربہ کار اور بے طمع ہو لا علاج امراض کی فہرست میں مندرجہ ذیل باتوں کو بھی شمار کرتا ہے (۱) جس پر غضب شاہی نازل ہو (۲) جو بادشاہ کا دشمن ہو، (۳) یا خود اپنا آپ دشمن ہو (یعنی اپنے فوائد اور نقصان کی پروا نہ کرتا ہو)

آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ وہ باتیں جن کی احتیاط سے بیماری پیدا نہیں ہوتی تیرہ ہیں، ریاح، پیشاب، پاخانہ، چھینک، کھانسی، پیاس، بھوک، نیند، ڈکار، جمائی، آنسو، قے، منی، اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ فطری طور پر جب وہ وقوع پذیر ہوں، تو روکنا نہ چاہئے اور جب یہ فطری طور پر رکے ہوں، تو اخراج کی کوشش نہ کرنی چاہئے، ورنہ صحت میں خلل آجائے گا، اس کے بعد اس نے ہر ایک کے فوائد اور نقصانات کی تشریح کی ہے، آخر میں غیر فطری امساک کے متعلق تحریر کرتا ہے، کہ اس سے (۱) عضو میں درد پیدا ہوتا ہے، (۲) سوج جاتا ہے، (۳) تپ عارض ہوتا ہے، (۴) سینہ درد کرنے لگتا ہے (۵) پیشاب آسانی سے نہیں ہوتا، (۶) سنگ مثانہ پیدا کرتا ہے، (۷) فتق کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے، پانی کے متعلق عام ہندو روایات کی پیروی کرتا ہوا لکھتا ہے، کہ پانی جو برستا ہے، وہ دو قسم کا ہوتا ہے، کبھی تو ابر زمین کے دریا سے پانی لے کر برساتا ہے اور کبھی ہوا کے شیرین دریا سے لا کر گراتا ہے، اور ان دونوں کے فرق معلوم کرنے کا طریقہ یہ بتلایا ہے، کہ برستے ہوئے پانی کو کسی برتن

میں بھر لو، پھر اس میں پکا ہوا چاول ڈال دو، تھوڑی دیر کے بعد دیکھو، اگر اصلی حالت پر ہے، تو آسمانی دریا کا پانی سمجھو، ورنہ جیم اور لزوجیت پیدا ہونے پر سمندری پانی یقینی ہے، عام ہندو روایت کے مطابق گنگا آسمانی دریا کا پانی ہے، لیکن اس محقق کو اس میں شک ہے، اس لئے وہ کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں، کہ گنگا آسمانی دریا کا پانی ہے، آگے چل کر لکھتا ہے کہ ہندوستان میں وہ ندیاں جو مغرب (بحر عرب) میں گرتی ہیں، وہ اچھی اور پاکیزہ ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں، اس کا پانی مثل دوا کے ہے، اسی طرح ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی سے جو ندی بہتی ہے، وہ بھی اچھی ہے، لیکن مشرق، مالوہ کوکن کے چشموں سے جو پانی جاری ہوتا ہے، اس کے استعمال سے مرض بواسیر پیدا ہوتا ہے، کوہ نربدو (گجرات) کا پانی استسقا، فیل پا، اور غم پیدا کرتا ہے، کوہ بنی (گجرات) اور وندھیاچل کے پانی سے سر کی بیماریاں ہوتی ہیں، جمنا کے متعلق کہتا ہے، کہ چرب اور شیرین ہے، اور اس کے پینے سے قوت باہ میں اضافہ ہوتا ہے، مشروبات میں سے گائے کے دودھ کی بابت اس نے لکھا ہے، کہ جو شخص اس کا استعمال کرتا ہے، وہ جلد بوڑھا نہ ہوگا، غلہ کے بابت سب سے پہلے چاول کو لیا ہے، کہ چاول کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں سے رت سال، مہا سال، کلم سال بڑے اور بہترین قسم کے ہیں، اور یہ گمود (گجرات) کے ملک میں پیدا ہوتے ہیں، تو انگ، کشمیر میں، شکنا رہٹ، مگدھ (بہار) میں اور سکندھک جس میں سے خوشبو آتی ہے، جالندھر (پنجاب) میں ہوتا ہے، جانوروں کے ذکر میں وہ ایک ایسے حیوان کا حال لکھتا ہے کہ جس کے چار پاؤں نیچے اور چار اوپر اور دو دانت مثل ہاتھی کے ہوتے ہیں، اور اس کا نام شرو ہے، یہ کشمیر میں ہوتا ہے، اس کے طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے، کہ آج سے ۱½ ہزار سال قبل مصنف کے عہد یا قریب ترین عہد میں یہ جانور عالم وجود میں تھا، لیکن پانچویں صدی ہجری میں جب علامہ بیرونی یہاں آیا ہے، تو اس کی نسل مفقود ہو چکی تھی، جیسے گینڈا کہ بیرونی کے عہد میں گنگا کے کنارے جنگلوں میں بہ کثرت تھے، اور برہمن اس کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے تھے[1] لیکن آج صرف عجائب خانوں ہی میں محفوظ ہیں، اور وہ بھی افریقہ سے منگوائے جاتے ہیں، کیونکہ ہندوستان میں ان کی نسل منقطع ہوگئی، مختلف جانوروں کے گوشت کے خواص بیان کرتے ہوئے، کہتا ہے، کہ بکری کا گوشت سردی، دہنیت، اور کچھ گرانی لئے ہوئے ہوتا ہے، لیکن اخلاط ثلاثہ میں کوئی اضافہ نہیں کرتا، کیونکہ اس کا گوشت آدمی کے گوشت کے مثل ہے، اس سے رطوبت میں بھی زیادتی نہیں ہوتی ہے اور بدن کو قوت دیتا ہے، گائے کا گوشت خشک کھانسی دور کرتا ہے، مگر بادی بیماریوں میں اضافہ کرتا ہے، بھینس کا گرم خواب آور بہت ثقیل ہے، چربے کو سخت اور بدن کو فربہ کرتا ہے،

اس کے بعد سبزی پھول، پھل کے خواص لکھتا ہے، خیال تھا کہ ہندوستانی مخصوص میووں کے متعلق کوئی نیا تجربہ پیش کرے گا، مثل آم، کھرنی، کٹھل، بڑہل، گولر وغیرہ کے لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان سب کے متعلق بہت نامکمل بیان ہے، دواؤں کے جو خواص لکھے ہیں، اس میں ہڑ (ہلیلہ) کی بڑی تعریف کی ہے، ہلیلہ، بلیلہ، اور آملہ ان تینوں کو ملا کر ترپھلی کہتے ہیں، اور ان کے استعمال کی بڑی ترغیب دیتا ہے، اس کے بعد کی فصل میں کھانے پینے اور جماع کے متعلق ہدایات ہیں کب، کس قدر کس طرح کھانا پینا چاہئے، ہر ایک کو علٰحدہ علٰحدہ فصلوں میں تفصیل سے لکھا ہے، اسی طرح مزہ کے ہر قسم کو تفصیل سے لکھ کر اخلاط ثلاثہ سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا ذکر اور اسی کے ساتھ اس کا علاج بھی بتلاتا ہے، قے، اور علاج کا ذکر اس کے بعد ہے، اس میں ہر موسم میں غلبہ اخلاط اور مریض کے ماحول کا اندازہ کرکے خاص خاص تیلوں کے استعمال

[1] البیرونی ص ۹۹ میں ہے کہ اس کے چھوٹی سونڈ بھی ہوتی ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ کوکن کے ڈانگ کے جنگل میں ہوتا ہے،

کی اجازت دی گئی ہے،

سترہوان باب اس بیان مین ہے کہ بدن کو کس طرح گرم رکھ سکتے ہین، پھر ایک خاص باب حقنہ کا ہے، اس مین تحریر کیا ہے کہ کن کن امراض مین اس کی ضرورت پڑتی ہے، اور کن کن اوقات مین اس کا استعمال کرنا چاہئے، اس کے بعد آلاتِ حقنہ پر بحث کی ہے، کہ اس کو چاندی سونے، تانبے، ہاتھی دانت، مچھلی کے دانت نے اور نیزہ کا ہونا چاہئے، دوسری دھات اور لکڑی کی بھی اجازت دی ہے، پھر یہ بتلایا ہے کہ آلہ کی شکل کیا اور کس طرح ہونی چاہئے، بیسوان باب ناک مین دوا ٹپکانے، اور اکیسوان دھونی لینے کے بیان مین ہے، پھر کلی، غرغرہ آنکھ مین دوا ٹپکانا وغیرہ ہے، پچیسوان باب خاص توجہ کے قابل ہے جس مین جراحی کے متعلق بحث کی ہو کانٹا چبھنے، تیر لگنے، کیل گڑ جانے سے جو زخم ہو جاتا ہے، اس کا علاج بڑی تفصیل سے لکھا ہے، پہلے تو ایسی دواؤن کا ذکر کیا ہے، جس سے بدن کے اندر پیوست شدہ چیزین خود بخود نکل آئین، پھر نشتر اور دوسری چیزون سے چیرنے پھاڑنے کانٹے امتحان کرنے، پٹی باندھنے وغیرہ کا بہت مفصل بیان دیا ہے، اس بیان کو پڑھکر یہ بات بڑی خوبی سے انسان کے ذہن نشین ہو جاتی ہے، کہ آج سے ۱½ ہزار سال قبل بھی جراحی کے تمام ضروری سامان موجود تھے، مثلاً آلات، کشیدگی، آلات کشیدگی اندرونی اعضاء کے زخم وغیرہ کے امتحانی آلات آلات گشید کی کے ضمن مین مردہ جنین کو نکالنا، جلندھر کا پانی کشید کرنا، دانت اکھاڑنا پھر اُس مقام کو روئی سے کسی آلہ کے ذریعہ صاف کرنا وغیرہ دیا ہے، غرض چودہ قسم کے آلات کا کلی طور پر، اور پھر اس کے ضمن مین جزئی آلات کا بھی ذکر کرتا جاتا ہے پھر ان آلات کی شکل، بنانے کا طریقہ کہ کن کن چیزون سے یہ آلات تیار کئے جائین، اس کو اچھی طرح بتانے کی کوشش کی گئی ہے، بدن داغنے کے متعلق بھی اوس نے خوب لکھی ہے، اور اسی بیان پر مقام (باب) اول ختم ہو جاتا ہے؛

مقام دوم تشریح بدن مین ہے، اس باب مین استقرار حمل سے موت تک کی بیماریون پر نظر ڈالی ہے، اور اس کی چھ فصلین ہین (۱) حمل، (۲) سود و زیان (۳) تقسیم اعضاء، (۴) مقامات نازک (۵) قرب موت کی علامت، (۶) استدلال خیر و شر کے بیان مین ہے،

پہلی فصل مین، اس سوال کے جواب مین کہ ہم استقرار حمل تو محسوس کرتے ہین، لیکن اس مین روح کس طرح داخل ہو جاتی ہے، ؟ واگھ بھٹ کہتا ہے کہ آتشین شیشہ جب آفتاب کے مقابل ہو، اور اس کے نیچے کوئی کپڑہ رکھو تو تھوڑی دیر مین وہ کس طرح جلنے لگتا ہے، پس جس طرح غیر محسوس طور پر آگ اس مین پیدا ہوتی ہے، اسی طرح جنین کے جسم مین روح حلول کرتی ہے، آگے چل کر وہ یہ سمجھانا چاہتا ہے، کہ دنیا کی ہر جنس کی شکل الگ الگ کیون ہے، اس کی تشریح تمثیل کے ذریعہ یون کی ہے، کہ مختلف قسم کے قالبون مین پگھلا ہوا لوہا اگر ڈالو تو مخصوص اشکال کی مختلف چیزین ڈھل جائین گی، اسی طرح ہر جنس کے مادہ کا رحم مخصوص شکل کا خدا نے بنایا ہے، اس لئے قالب (رحم) سے اسی شکل کی صورت ظہور پذیر ہو گی، جیسا رحم (قالب) ہے مثلاً ہاتھی، اونٹ، گھوڑا، کتا، گائے، بکری،

راقم الحروف کہتا ہے کہ اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی انسانی تجربات کی بنا پر اس مین اضافہ کی ضرورت ہے یعنی یہ صحیح ہے کہ ہر قالب کی طبعی شکل کے مطابق تولید ہو گی، غیر جنس کا اثر نہ ہو گا، لیکن ہم دیکھتے ہین کہ قمری مین فاختہ (جو اصلی قالب ہے) کے بجائے کبوتر کی رنگت، خوبصورتی، اور جثہ ہوتا ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ دو جنس جب کہ قریب قریب ہم جنس ہون، تو نر کا اثر بھی تولید مین ظاہر ہوتا ہے، جیسے گھوڑا، اور گدھا، فاختہ اور کبوتر، بھیڑ اور بکری،

ہندو رسم و رواج کے مطابق اس نے تحریر کیا ہے کہ عورت کے لئے ہر ماہ تین دن ایام کے ہوتے ہین، حالانکہ اس ماہر فن

کو تجربہ سے اچھی طرح معلوم ہے، کہ ہر عورت کے لئے یہ تحدید صحیح نہین، لیکن عام برہمن چونکہ اس حالت مین عورت کو بالکل ہی ناپاک اور ناقابل تخاطب سمجھتے ہین اور گھر کی کسی چیز کو وہ چھو نہین سکتی، اور گھر کا تمام کاروبار حالتِ التوا مین آجاتا ہو، اس لئے عورت کے پاک ہونے کا انتظار اگر اس کے آخری دن تک کیا جائے، تو تمام خانگی کاروبار مین ابتری کا اندیشہ ہے، اس کے علاوہ ایسی حالت مین طبی لحاظ سے اس کو آرام کی بھی ضرورت ہے، ان حالات کو مدنظر رکھ کر، اس کی مدت ان لوگون نے تین دن رکھی ہے، جس مین سکون کے ساتھ آرام کرتی رہے، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ تین دن کے بعد پاک سمجھی جاتی ہے، کیونکہ ایسی صورت مین نہ مندر جا سکتی ہو نہ کسی محفل مین شریک ہو سکتی، جب تک کہ وہ صحیح معنی مین پاک نہ ہو جائے، البتہ صرف گھر کے متعلق کام انجام دے سکتی ہے،

واگھ بھٹ عمر کے لحاظ سے اس کی ابتدا بارہوین سال سے بتلاتا ہو اور آخری مدت پچاس سال رکھی ہے، اس کے بعد اس نے ایک دلچسپ بات یہ کہی ہو کہ صحیح و تندرست بارہ سال کی لڑکی، اور صحیح و تندرست بیس سال کا مرد ہو تو ان دونون کے اختلاط سے قوی، تندرست اور طویل العمر فرزند پیدا ہو گا، اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آج سے ۱½ ہزار سال قبل اپنے ہندوستان کی تندرستی کس قدر اچھی تھی، کہ بارہ سال کی لڑکی جس کو آج بچہ سمجھا جاتا ہے، وہ پوری عورت بن جاتی تھی،

اولاد کے متعلق مصنف کا خیال ہے کہ اگر مرد کے مادہ کی مقدار زیادہ ہو گی تو نرینہ اولاد ہو گی، اس کے بالعکس ہونے سے لڑکی ہو گی، اور اگر مساوی مقدارین ہو تو عنین ہو گا، توام (جڑوان) کے متعلق لکھتا ہو کہ دومنی کے درمیان اگر باد کا تداخل ہو جائے تو جڑوان بچے ہون گے، لیکن اس باد کے ساتھ صفرا یا بلغم کا غلبہ ہو تو بچے غیر جنس کے پیدا ہون گے، جیسے چوہا، سانپ، بندر وغیرہ، باپ کی ہم شکل اولاد ہونے کی ترکیب یہ بتاتا ہے کہ عورت کو چاہئے کہ حالتِ حمل مین اپنے شوہر کے چہرہ کو ہر وقت دیکھتی یا خیال کرتی رہے، اس کے بعد کچھ دوائین اور ٹوٹکے نرینہ اولاد کے لئے لکھ کر ہر ماہ جنین مین جو اضافہ ہوتا رہتا ہے، .... اس کا ذکر کرتا ہے، مدتِ حمل کے باب لکھتا ہے، کہ نوین مہینہ کا ایک دن بھی گذر جائے تو زچہ بچہ دونون کی زندگی کی توقع ہے، یعنی کم از کم مدت آٹھ ماہ ایک دن، اور زیادہ سے زیادہ مدت بارہ ماہ بتاتا ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مین بھی ایک مقدمہ اسی نوعیت کا آیا تھا، اور ماہرین فن کی شہادت پر بارہ کی مدت صحیح تسلیم کی گئی، اور وہ حد (تعزیر) سے بچ گئی، لیکن اگر مدت بارہ سے زیادہ ہو تو وہ بیماری ہے،

آپ نے سنا ہو گا کہ بعض عورتون کو حمل قرار پا کر مدتِ حمل مین یا اختتام پر وضع حمل ہوتا ہے، مگر اخراج کچھ نہین ہوتا، عوام کا خیال تھا کہ ایسے بچے کو دیو (جن) اٹھا لیجاتا ہے، یہ محقق حکیم کہتا ہے کہ بعض اوقات باد کے غلبہ سے حیض کا خون رحم مین جمع ہو کر بستہ ہو جاتا ہے اور اس کی شکل بالکل حاملہ جیسی ہو جاتی ہے، اور لوگ غلطی سے اس کو حاملہ سمجھنے لگتے ہین، مگر ہوا نکل جانے اور بستہ خون بہ جانے سے وہ حالت (دواؤن یا قدرتی ذرائع سے) جب جاتی رہتی ہے تو عوام کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اس کا حمل دیو اڑا لے گیا، حالانکہ یہ صحیح نہین ہے، اس کے بعد زچہ بچہ کی حفاظت اور غذا کی نسبت گفتگو کی ہے، پھر ایک طویل مقالہ اس پر لکھا ہو کہ اعضاء کی کن علامتون سے انسانی اخلاق معلوم کئے جا سکتے ہین، اور یہ کہ انسانی اعضاء کس طرح ہونے چاہئین پھر یہ بتایا ہے کہ کن کن مقام پر کیا کیا علامتین ظاہر ہون تو بہ اسباب ظاہر طبیب اس کی موت کا حکم لگائے، اس مقام کا آخری باب خواب اور شگون کے متعلق ہے، جس کا زیادہ تر تعلق اعتقاد اور وہم سے ہے،

تیسرے مقام مین ۱۶ فصلین ہین، (۱) اسباب و علل (۲) تپ (۳) خون و صفرا (۴) دمہ (۵) دق (۶) علل شراب نوشی (۷) باسور (۸) اقیسار (۹) عسر البول (۱۰) خروج منی (۱۱) دورہ (۱۲) استسقا (۱۳) سوجن (۱۴) برص (۱۵) علت باد، (۱۶) سرخ بادہ،

پہلی فصل میں بیماریوں کے اسباب شناخت کرنے کے پانچ طریقے بیان کرکے لکھتا ہے کہ بیماری کا اصلی سبب اخلاط ثلاثہ میں سے کسی کا غلبہ ہے، دوسری فصل میں بخار (تپ) کے اسباب، قسمیں، شناخت، اور ان کا علاج تبلایا ہے، تیسری میں کھانسی (۴) میں دمہ (۵) دق تشنگی کے بیان میں ہے، چھٹی فصل میں یہ بیان کیا ہے کہ شراب سے کون کون بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اسی کے ضمن میں اس کے فوائد کا بھی شمار کیا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے دس گن ہیں، اس کے اثر کی بابت لکھا ہے کہ مثل "زہر" کے زود اثر ہے، فوراً تمام رگ پٹھے میں دوڑ جاتا ہے، دسویں فصل میں خروج منی کی بیس قسمیں لکھی ہیں، (۱۱) قبض، انگولہ شکم، (۱۲) استسقاء (۱۳) میں اماس بدن کا ذکر ہے، اور اسی پر یہ مخطوطہ زیر تبصرہ ختم ہو جاتا ہے،

واگبھٹ اس فن کا پہلا مدون اور اس کی کتاب فن کی پہلی کتاب ہے، اس لئے انضباط کے بجائے مسائل طبیہ میں انتشار زیادہ ہے، ابواب و فصلیں اس نے قائم کی ہیں، وہ اکثر ایسی ہیں جس میں ایک دوسرے کا تداخل ہو سکتا ہے کبھی کبھی ایک ہی فصل میں خواص، دوا، علت، اسباب، علت اور علاج سب ہی درج کر دیتا ہے اور کہیں مضامین کو بہت تشنہ چھوڑ دیتا ہے، مفردات کے خواص بہت اختصار کے ساتھ لکھتا ہے، اور اکثر متحد الخواص اشیاء کو ایک ہی سانس میں بول جاتا ہے حالانکہ اس کے دوسرے خواص بھی ہوتے ہیں جس کو وہ نظر انداز کر دیتا ہے، رسم و رواج اور مذہبی روایات کو طبی اصول کے تحت ذکر کر دیتا ہے، لیکن اس کے محقق اور ماہر فن ہونے میں کوئی کلام نہیں جو بات اس کی تحقیق کے خلاف ہو اس کا ضرور اظہار کرتا ہے، طبی مسائل جہاں مذہب سے ٹکراتے ہوں، وہاں دبے الفاظ میں اصل حقیقت بیان کر جاتا ہے، وہ اپنے سے پہلے اطبا کے اقوال کو بھی وزن دیتا ہے اور اپنے نظریہ کی تائید میں ان کو پیش کرتا ہے، راقم الحروف کو "بید" کی دوسری کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا ہے، اور اردو یا فارسی میں ان کے ترجمہ سے بھی آگاہی نہیں ہے، اس لئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ قدما کے کن کن مسائل سے اختلاف یا اتفاق کیا ہے، اور ان کے مقابل جدید مسائل کیا ایجاد کئے، اور ان کی صحت پر جو دلائل پیش کئے، وہ طب و حکمت کے اصول سے کہاں تک قرین صحت ہیں،

تشریح ابدان کے جو آلات عہد موجودہ میں ایجاد ہوئے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے پرانے آلات بچوں کے کھلونے نظر آتے ہیں، لیکن آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل اس عہد کی ضروریات ذہنی، اور جسمانی طاقت کے لحاظ سے حسب ضرورت تمام اشیاء کا موجود ہونا بہت ہی تعجب انگیز ہے، یہاں تک کہ بغیر پیٹ چاک کئے مردہ جنین کے نکالنے کے آلات کا بھی ذکر کرتا ہے،

مترجم نے اصل کتاب کے علاوہ ان کی شرحوں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، یہ آزاد اور مطلب خیز ترجمہ ہے بعض مسائل کو بیان کرکے جو اسلام کے خلاف ہوں، صفائی سے کہہ دیتا ہے کہ یہ حرام ہے یا ناجائز ہے، شگون اور ٹوٹکے کا ذکر کرکے کہتا ہے کہ اگر اسلام میں جائز ہے تو کر سکتے ہیں، افسوس ہے کہ اس کا ترجمہ شگفتہ نہیں ہے، ایک بڑی تکلیف دہ چیز اس ترجمہ میں یہ ہے کہ ابتدا میں ہر اصطلاح کا ترجمہ کرکے اسی ترجمہ کو آگے چل کر استعمال کیا ہے، لیکن جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا جاتا ہے، اصطلاحی ترجموں کو چھوڑ کر اصل سنسکرت کا لفظ ہی استعمال کرنے لگتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن اشخاص کو اس فن سے لگاؤ نہیں اور وہ قبل کے اصطلاحات بھی یاد نہ رکھیں، تو آخری ابواب کا سمجھنا ان کے لئے سخت دشوار ہو جائے،

راقم الحروف کو اس کا علم نہیں ہے کہ یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے، اور نہ یہ جانتا ہے کہ ہندوستان اور یورپ کے کسی کتب خانہ میں اس کا دوسرا نسخہ بھی موجود ہے، کیونکہ میں ایک ایسے شہر میں ہوں جہاں اس قسم کے ریسرچ کے ذرائع مفقود ہیں، سنا ہے کہ چند سال قبل بھروچ (گجرات) سے اس کا مکمل نسخہ حیدرآباد پہونچ گیا ہے، کیا حیدرآباد کے علم دوست احباب اس طرف توجہ فرمائیں گے،

تاریخ ابن خلکان کے فارسی ترجمے

از جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی

عربی کی سیر و تواریخ کی کتابوں میں جو قبولیت عام اور شہرت دوام ابن خلکانؒ کی کتاب کو حاصل ہوئی ہے، وہ اس فن کی کسی دوسری کتاب کو نصیب نہیں ہوئی، عربی کے تاریخی ادب میں یہ کتاب اس قدر مشہور و متداول رہی ہے کہ اس کو "تاریخ ابن خلکان" یا صرف "ابن خلکان" کہتے ہیں، حالانکہ اس کا پورا نام "وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان مما ثبت بالنقل او السمع و اثبتہ العیان" ہے، یہ کتاب ہر زمانہ میں اہل علم کی توجہ کا مرکز رہی ہے اور اس کے بعد کے اسلامی تذکروں اور سوانحعمریوں کی شاید ہی کوئی کتاب ہوگی جس میں اس کا حوالہ نہ پایا جاتا ہو، باین ہمہ یہ کتاب اس قدر نایاب رہی کہ ممالک اسلامیہ میں یہ ۱۲۷۵ھ میں طبع ہوئی، سب سے پہلے اس کی طباعت کا فخر ایک جرمن مستشرق وستنفیلڈ کو حاصل ہوا، جس نے مختلف مخطوطات کا مقابلہ کرکے ۱۸۳۵ء سے ۱۸۵۰ء تک ۱۵ سال کے عرصہ میں کتاب کا ایک مکمل نسخہ ۱۳ حصوں میں بالاقساط گوتھا سے شائع کیا، پھر ۱۸۳۵ء میں موسیو بنیاپل نے اس کے بعض اجزاء لاطینی ترجمہ کے ساتھ امسٹرڈام سے شائع کئے، مشاہیر اسلام کے حالات و سوانح کی ایک مستند و معتبر کتاب ہونے کے لحاظ سے مشرق و مغرب دونوں میں اس کتاب کے ساتھ اعتنا کیا گیا، اور یورپ کی مختلف زبانوں میں اس کے بعض حصوں کے ترجمے کئے گئے، انگریزی میں اس کا مکمل ترجمہ فرنچ مستشرق ڈی سلین نے ۴ ضخیم جلدوں میں کیا، فارسی اور اردو میں بھی اس کے ترجمے ہو چکے ہیں گو اہل ایران نے اس کتاب کے ترجمہ کی طرف توجہ نہیں کی، لیکن ہندوستان اور ترکی میں اس کے چار چار ترجمے ہو چکے ہیں، ذیل میں ہم ان فارسی تراجم کی مختصر کیفیت بیان کرتے ہیں،

۱- فارسی کا پہلا ترجمہ سلطان ناصر الدین ابو الفتح محمود شاہ معروف بہ "محمود بیگڑہ" فرمانروائے گجرات (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے حکم سے مولانا یوسف بن احمد بن محمد بن عثمانؒ نے "منظر الانسان" کے نام سے کیا، جیسا کہ مترجم نے مقدمہ کتاب میں ذکر کیا ہے، ۸۸۹ھ میں سلطان نے چانپانیر کو فتح کیا، جس کی تاریخ مترجم نے مقدمہ میں کلمہ "افتتح" سے نکالی ہے، اس کی یادگار میں اس نے اس کتاب کا ترجمہ کرنے کی فرمائش کی، ۸۹۰ھ میں ترجمہ کرنے کا حکم صادر ہوا، ۸۹۳ھ میں اس کا آغاز ہوا، اور ۸۹۴ھ میں تکمیل ہو کر بادشاہ کے ملاحظہ کے لئے پیش ہوا، اور ۲۷ دوسری کتابوں سے اس ترجمہ میں اور مطالب کا اضافہ کیا گیا، ۸۹۵ھ میں نظر ثانی کی گئی، او

---

۱ قاضی القضاۃ شمس الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابراہیم بن ابی بکر بن خلکان البرمکی الاربلی الشافعی الاشعری، ولادت ۶۰۸ھ، وفات ۶۸۱ھ، ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھو طبقات الشافعیہ للسبکی، ج ۵ ص ۱۴، فوات الوفیات ج ۱ ص ۵۵، حسن المحاضرہ للسیوطی ج ۱ ص ۲۸۶، ۲ سید عثمان (ملقب بہ "شمع برہانی") حضرت قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے کبار میں سے تھے، سلطان محمود کو ان سے بڑی عقیدت تھی، ۸۶۳ھ میں ان کا وصال ہو گیا، اور یہی سال سلطان محمود کی تخت نشینی کا ہے، چونکہ محمود شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سال (۹۱۷ھ) تک گجرات پر حکومت کی ہے، اس لحاظ سے تعجب نہیں، اگر سید عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے پرپوتے اپنے دادا کے باپ کی وفات سے ۲۶ سال کے بعد ۸۸۹ھ میں (جب کہ ہنوز وہ نوعمر ہوں گے)، اس کتاب کا ترجمہ شروع کرتے ہیں،

منظر الانسان نام رکھا گیا، مورخ محمد بن عمر المکی معروف بہ حاجی دبیر (۱۰۲۰ھ) مصنف ظفر الوالہ نے اس ترجمہ کو دیکھا تھا، وہ لکھتے ہیں:

"لقد ترجم بعبارۃ حسنۃ تشعر باتقانہ فی معرفۃ اللسانین ویخبر بما یشہد لہ بفضلہ کلا الفریقین علیہ الرحمۃ"[1]

عمدہ عبارت میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے، جس سے دونوں زبانوں میں مترجم کی واقفیت کامل معلوم ہوتی ہے، اور فریقین کے مترجم کی فضیلت کا اعتراف کرنے کی شہادت دیتی ہے، ان پر خدا کی رحمت ہو،

فی زماننا اس ترجمہ کے چار مخطوطے موجود ہیں:-

۱- ایک نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانے میں نمبر ۱۴، ۱۶۷ پر موجود ہے، اور ۱۰۱۲ھ کا لکھا ہوا ہے، جلد چمڑے کی منقش و مطلا ہے، کل ۴۰۹ اوراق ہیں، عبارت ذیل سے کتاب شروع ہوتی ہے:-

"آرایش دیباچہ مناقب و مآثر سلاطین رفیع مقدار"

کتاب کے آخری سطور میں مترجم نے لکھا ہے کہ یہ ترجمہ، ۱۸ ربیع الاول ۸۹۳ھ کو شروع ہوا اور ۲۴ رمضان ۸۹۵ھ کو ختم ہوا، اس پر ڈاکٹر ریو نے یہ اعتراض کیا ہے، کہ مترجم نے دیباچہ میں ترجمہ کا سنہ آغاز ۸۸۹ھ بتایا ہے، وہ اس آخری تحریر سے مطابقت نہیں رکھتا، لیکن بقول مترجم یہ سنہ ترجمہ کرنے کی فرمایش کا ہے، ورنہ ترجمہ کا آغاز تو ۸۹۳ھ میں ہوا، آخر میں مترجم کے نسب نامہ سے متعلق یہ نام اضافہ کئے گئے ہیں، (عثمان) بن علی بن احمد الشجاع السجزی، ترجمہ میں اکثر جگہ اصل متن کا اختصار کیا گیا ہے، عربی اشعار جو مصنف نے بکثرت نقل کئے ہیں، ان کو یا تو بغیر ترجمہ کے نقل کیا ہے، یا بالکل اڑا دیا گیا، اوراق ۱ تا ۴ پر تذکرون کی فہرست ہے، جو تعداد میں ۸۳۰ ہیں، ورق ۱۳ پر سلطان محمد قطب شاہ کی مہر ہے جس میں ۱۰۱۱ھ درج ہے[2]

۲- دوسرا نسخہ بھی اسی برٹش میوزیم میں ہے، جلد اول کا ترجمہ حرف ز تک نمبر ۲۳۵۳۸ پر موجود ہے، پہلے نسخہ میں مترجم کے فارسی دیباچہ کے بجائے اس میں ایک طویل عربی دیباچہ ہے، جس کے شروع کے دو ایک ورق غائب ہیں، اس میں سلطان محمود کی مدح ہے، (ورق ۲-۴) مگر اس میں سے ابن خلکان کے دیباچہ کا ترجمہ جو پہلے نسخہ میں موجود ہے نکال دیا گیا ہے، عربی اشعار کے ترجمے حواشی پر لکھے گئے ہیں، جلد دوم کا ترجمہ نمبر ۷۶۶ پر ہے، جو ۳۱۰ اوراق پر مشتمل ہے، یعنی حسب نسخہ اول ورق ۶۰ تا ورق ۴۰۹،[3]

۳- تیسرا نسخہ دفتر دیوانی حیدرآباد کے کتب خانے میں موجود ہے، جو ۱۰۳۱ھ کا لکھا ہوا ہے، اور کاتب کا نام علی بن حسن الاہمی ہے[4]

۴- چوتھا نسخہ پروفیسر محمود شیرانی کے کتب خانہ میں نمبر ۱۹۹۳ پر موجود ہے، جس کا ذکر انھوں نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے[5]

(۲) دوسرا فارسی ترجمہ کبیر بن ادریس بن محمد لطیفی نے کیا تھا، یہ ترجمہ سلطان سلیم اول فرمانروائے ترکی (۹۱۸ھ-۹۲۶ھ) کے لئے لکھا گیا تھا، سلطان سلیم کو جب تواریخ اور خصوصاً ابن خلکان کے مطالعہ کا شوق ہوا تو اس کا ترجمہ فارسی میں کرایا،

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر وآلہ ج ۱ ص ۲۳ [2] فہرست مخطوطات فارسی ج ۱ ص ۳۳۴ [3] ،، ،، ج ۳ ص ۱۰۰۵ [4] رسالہ معارف جون ۱۹۳۶ء مضمون کتب خانہ دفتر دیوانی، اس کے بعد ایک مضمون "منظر الانسان کا مصنف" (؟) معارف میں شائع ہوا ہے، جس میں ظفر الوالہ کی ایک طویل غیر متعلق عبارت نقل کی گئی ہے، اس میں نہ تو مترجم کے حالات پر کوئی روشنی ڈالی گئی ہے، نہ اس کتاب کے کسی مخطوطہ کا ذکر کیا گیا ہے [5] رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۳ء،

یہ ترجمہ نصف ہونے پایا تھا، کہ سلطان نے وفات پائی، مترجم کا حال معلوم نہ ہو سکا، لیکن ڈاکٹر ریو نے سلیم نامہ کے مخطوطہ کے حوالہ سے اس کا نام قاضی عبد الکبیر لطیفی لکھا ہے، جو فارسی نثر نویسی پر مامور تھا، حاجی خلیفہ نے اس کو معروف بہ قاضی زادہ لکھا ہے،

ڈاکٹر ریو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ترجمہ کے دو مخطوطے موجود ہیں، ایک سرگور اوسلے کے ذخیرۂ مخطوطات میں نمبر ۲۷۶ پر اور دوسرا کنگز کالج لائبریری میں نمبر ۱۱ پر ہے،

(۳) تیسرا ترجمہ ظہیر الدین اردبیلی کا (المتوفی بعہد ۹۳۰ھ) کا ہے، طاش کبری زادہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے تاریخ ابن خلکان کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا[1]

حاجی خلیفہ نے ظہیر الدین کی بجائے اظہر الدین لکھا ہے، اس کا قیاس ہے کہ قاضی زادہ نے اس کتاب کا کوئی ترجمہ نہیں کیا، اس کے نزدیک ظہیر الدین اور قاضی زادہ دونوں ایک ہی شخص ہیں، اور یہ قیاس آرائی خود قاضی زادہ کے ایک فارسی رسالہ سے کی گئی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"وترجمہ (وفیات) مولانا اظہر الدین الاردبیلی بالفارسیۃ وتوفی بعہد سنۃ ثلاثین وتسعمائۃ ورأیت رسالۃ فارسیۃ لکبیر بن اویس بن محمد اللطیفی الشہیر بقاضی زادہ المتوفی سنۃ ۹۳۰ ثلاثین وتسعمائۃ ذکر فیہا ان السلطان سلیم خان القدیم لما اشتغل بتتبع التواریخ خصوصاً وفیات لابن خلکان ترجمہ بالفارسیۃ وحین وصل الی نصفہ مات السلطان ولعل ذالک المذکور ھو الشہیر باظہر الدین اردبیلی"[2]

اور مولانا اظہر الدین اردبیلی المتوفی بعہد ۹۳۰ھ نے وفیات کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے، میں نے ایک فارسی رسالہ مؤلفہ کبیر بن اویس بن محمد اللطیفی مشہور بہ قاضی زادہ المتوفی ۹۳۰ھ دیکھا تھا، اس میں اس نے یہ بیان کیا ہے کہ سلطان سلیم خان قدیم کو جب تواریخ خصوصاً وفیات ابن خلکان کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، تو اس نے (قاضی زادہ نے) فارسی میں اس کا ترجمہ کیا، اور جب آدھی کتاب کا ترجمہ ہو چکا تو سلطان نے وفات پائی، شاید مترجم مذکور وہی ہے جو اظہر الدین اردبیلی کے نام سے مشہور ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ حاجی خلیفہ کو دونوں کے سنہ وفات ایک ہونے سے دھوکا ہوا ہے، حالانکہ یہ دونوں جدا جدا اشخاص ہیں، طاش کبری زادہ کے بیان کے مطابق ظہیر الدین کا وفیات ابن خلکان کا فارسی میں ترجمہ کرنا ثابت ہے، قاضی عبد الکبیر کے ترجمے کے متعلق حاجی خلیفہ نے اس کے رسالہ کا حوالہ دیا ہے، وہ خود بتا رہا ہے، کہ اویس نے سلطان سلیم کی فرمایش پر اس کا ترجمہ کیا تھا، اس پر سلیم نامہ کے مصنف حکیم الدین ادریس بن حسام الدین البدلیسی کی اس شہادت کا اضافہ کر لو جو اس نے دیباچۂ کتاب میں پیش کی ہے، کہ جب وہ سلطان سلیم اول کے زمانہ میں اپنی تاریخ لکھ رہا تھا، تو تین اور آدمی بھی ایسی ہی تاریخی کتابیں لکھنے میں مصروف تھے، ان میں ایک قاضی عبد الکبیر بھی تھا، جو فارسی نثر لکھتا تھا[3]، اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ سلطان سلیم کے لئے جس نے وفیات کا فارسی میں ترجمہ کیا وہ عبد الکبیر ہی تھا، ظہیر الدین کا ترجمہ اس کے علاوہ ہے،

(۴) چوتھا ترجمہ ہندوستان میں کیا گیا تھا، ڈاکٹر ریو نے مخطوطہ تاریخ محمدی از محمد بن رستم بن قباد جو ابتدائے ہجرت سے لیکر ۱۱۹۰ء تک کی تاریخ ہے، کے ورق ۲۶۴ کے حوالہ سے لکھا ہے[4] کہ شیخ کبیر بن شیخ منور لاہوری (المتوفی ۱۰۲۳ھ احمد آباد) نے ابن خلکان کی کتاب کا فارسی ترجمہ کیا تھا، شیخ کبیر عہد اکبری کے علما میں سے تھے چنانچہ مورخ بدایونی نے ان کا ذکر کیا ہے[5]، مگر اس ترجمہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا،

---

[1] الشقائق النعمانیہ بہامش ابن خلکان ج ۱ ص ۵۴۶ [2] کشف الظنون جلد ۲ ص ۹۳۹ [3] فہرست مخطوطات فارسی جلد ۱ ص ۲۱۹ [4] ،، جلد ۱ ص ۸۵۳ [5] منتخب التواریخ جلد ۳

ادبیات

غزل

از جناب روش صدیقی

ہوائے ضبط سے شمع یقین پہ کیا گذری
الٰہی عشق کی جان حزین پہ کیا گذری

تباہ کرکے مرے دل کو اے مرادِ حیات
بتا! کہ تیرے دلِ نازنین پہ کیا گذری

نشانۂ ستمِ دوست، ساکنانِ زمین؟
کسے خبر ہے کہ چرخِ برین پہ کیا گذری

سکون مین رنگِ ہزار اضطراب شامل ہی
متانتِ نگہِ شرمگین پہ کیا گذری

فقیہِ شہر کو سودائے نرگسِ مخمور
کوئی بتائے کہ اربابِ دین پہ کیا گذری

جنونِ دشت نوردی پہ عشق نازان ہے
خبر نہین کسی خلوت نشین پہ کیا گذری

وہ بزمِ ناز سلامت یہ تذکرہ بیکار
بلاکشانِ ملامت گزین پہ کیا گذری

شریکِ بزمِ خرابات ہوکے اے زاہد
ترے تصورِ خلدِ برین پہ کیا گذری

ہراستان سے انھین ماورا تو مان لیا،
کہے یہ کون غرورِ جبیں پہ کیا گذری

لب حبیب سے سُن کر روشؔ مرے اشعار
یہ سوچتا ہون، دلِ نکتہ چین پہ کیا گذری

غزل

از جناب یحییٰ اعظمی

سراپا درد ساری زندگانی ہوتی جاتی ہے
محبت اک بلائے ناگہانی ہوتی جاتی ہے،

ہر اک شے سے جہان کی سرگرانی ہوتی جاتی ہے
قیامت اب مری شوریدہ جانی ہوتی جاتی ہے،

دلِ محزون سے ہر نقش تصور مٹتا جاتا ہے،
مگر اک یاد ان کی جاودانی ہوتی جاتی ہے،

نظر آنے لگا ہے اور ہی کچھ منظرِ فطرت
نگاہون پر یہ کس کی حکمرانی ہوتی جاتی ہے،

دبی تھی جو دلِ سوزان مین اب آنکھون سے بہہ کر
محبت کی وہ ساری آگ پانی ہوتی جاتی ہے،

زبانون پر کبھی یہ حرفِ نازک آ نہین سکتا
حدیثِ شوق آنکھون کی زبانی ہوتی جاتی ہے،

تغافل اور یہ طرزِ تغافل اے معاذ اللہ
مجھی پر کس لئے یہ مہربانی ہوتی جاتی ہے،

ہین مخفی اس مین نکتے سینکڑون درسِ محبت کے
وہ دزدیدہ نظر جانِ معانی ہوتی جاتی ہے،

نہ اب وہ ولولے ہین اور نہ ذوقِ زندگی باقی
حیاتِ شوق نذرِ عمرِ فانی ہوتی جاتی ہے

مطبوعاتِ جدیدہ

انتخاب غالب شائع کردہ کتب خانہ رامپور، تقطیع بڑی ضخامت ۳۴۴ صفحے کاغذ نفیس رنگ آمیزی نظر فریب ٹائپ روشن، قیمت عہ

نواب کلب علی خان والی رامپور کی فرمائش پر مرزا غالب نے اپنے اردو اور فارسی کلام کا ایک انتخاب کیا تھا جس پر خود ان کے قلم کی تصحیح و ترمیم ہے، اس اعتبار سے یہ بڑی نادر چیز تھی، ریاست کے کتب خانہ مین اصل نسخہ محفوظ تھا، جو اس کی جانب سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوا ہے، کتب خانہ کے لائق ناظم مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی کی تصحیح، مقدمہ، اور شرح غالب نے اس انتخاب کی قدر و قیمت اور بڑھا دی ہے، مقدمہ مین انھون نے مرزا صاحب کی تحریرون سے ان کے اردو اور فارسی کلام کے متعلق خود ان کی رائے، عام شعر و سخن اور محاسنِ شاعری کے متعلق ان کے نقطۂ نظر اور عمر، تجربہ، اور مشق و ممارست کی پختگی کے ساتھ اس مین تدریج جو تبدیلی ہوتی رہی، اور آخر مین انھون نے محاسنِ شاعری کی جانچ کے لئے بقولِ خود جو میزان مقرر کی تھی، اس کی تفصیل بیان کرکے اس انتخاب کو اس مین تولا ہے، اس سلسلہ مین شعر و سخن کے متعلق مرزا صاحب کے اور متفرق خیالات بھی معرضِ تحریر مین آگئے ہین، اس سے بھی زیادہ قابلِ قدر اور نئی چیز شرح غالب ہے، مرزا صاحب نے لوگون کے استفسار پر اپنے بعض اردو اور فارسی اشعار کی تشریح کی ہے، یا ان کے کسی پہلو پر روشنی ڈالی ہے، یا اصحابِ ذوق کو خود ان کی جانب توجہ دلائی ہے، یا اپنی کسی تحریر مین کسی اور حیثیت سے اپنے کسی شعر کا ذکر کیا ہے، جس سے اس کے کسی پہلو پر روشنی پڑتی ہے، فاضل مرتب نے ان تمام معلومات کو مرزا صاحب کے فارسی اور اردو مکاتیب سے تلاش کرکے کتاب کے آخر مین شرح غالب کے نام سے جمع کر دیا ہے، اور اس انتخاب کے جن اشعار سے ان کا تعلق ہے اس کے صفحہ اور سطر کا حوالہ دیدیا ہے، اس طرح خود غالب کے قلم سے ان کے بہت سے اشعار کی شرح تیار ہوگئی ہے، گو یہ معلومات مرزا صاحب کے مکاتیب ہی سے جمع کئے گئے ہین، لیکن یہ خود بڑی محنت اور دیدہ ریزی کا کام تھا، جس کا اندازہ دوسرے مشکل کر سکتے ہین، فاضل مرتب کی یہ جدت قابلِ داد اور ان کا طغرائے امتیاز ہے، یہ تو اس انتخاب کے معنوی محاسن ہین ظاہری حیثیت سے بھی وہ حسن و نفاست کا مرقع ہے، اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حسنِ مذاق کے ساتھ آج تک اردو مین کوئی کتاب شائع نہین ہوئی، نسخۂ حمیدیہ اور ڈاکٹر بجنوری مرحوم کے مقدمہ کی اشاعت کے بعد سے ایک عام بد مذاقی یہ پیدا ہوگئی ہے، کہ مرزا کی اشکال پسندی اور ان کے اغلاق و ابہام کو بھی ان کے محاسنِ شاعری مین شمار کیا جانے لگا ہے، حالانکہ ان کا بہترین کلام وہی ہے، جو صاف اور سلیس ہے، اس انتخاب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس مین مشکل سے کوئی پیچیدہ شعر مل سکتا ہے، آخر مین کلیات فارسی کے چار اور اردو دواوین کے آٹھ معتبر نسخون کی مدد سے اختلافِ نسخ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے، غرض یہ انتخاب ظاہری اور معنوی محاسن ہر پہلو سے نہایت مکمل اور اصحابِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

دنیا کی کہانی از جناب محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت قیمت عہ مجلد پتہ مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی،

یہ کتاب مصنف کی ان تقریرون کا مجموعہ ہے جو دہلی ریڈیو سے نشر ہوئین، اس کو شائع ہوئے عرصہ ہوگیا، ہمارے پاس

اب ریویو کے لئے آئی ہے، اس مین آغاز آفرینش سے لیکر اب تک دنیا کے ارتقاء اور اس کی تمدنی سرگذشت بیان کی گئی ہے، عالم کی تخلیق اس کے ارتقائی مدارج، انسانی ترقی کے مختلف دور، قدیم قومون اور تہذیبون کے حالات یونان، روم، چین اور ہندوستان کی تہذیبین عیسائیت اسلام اور مسلمانون کی تہذیب ترک و تاتار اسلامی ہند، اور یورپ کی تاریخ و تمدنی و سیاسی سرگذشت از جدید یورپ کے حالات کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ دنیا جن جن مراحل سے گذر کر اس منزل تک پہنچی ہے اور اس کے تمدنی ارتقاء مین جن جن قومون کا حصہ رہا ہے، اس کی پوری سرگذشت نگاہون کے سامنے آجاتی ہے، اسلامی مسائل مین بھی بڑی حد تک مصنف کا نقطۂ نظر صحیح اور قلم محتاط رہا ہے، اور نازک مراحل کو خوش اسلوبی سے طے کیا ہے، انداز بیان کے اعتبار سے کتاب شگفتہ اور دلچسپ ہے، موضوع کی خشکی کو لطفِ بیان نے زائل کر دیا ہے، یہ کتاب معلومات کے اعتبار سے متوسط درجون کے نصاب مین داخل ہونے کے لائق ہے، فاضل مصنف کا ادبی ذوق اتنا پختہ ہو گیا ہے کہ انھین کبھی کبھی ادبی میدان مین بھی اترنا چاہئے، معلوم نہین اس کو انھون نے کیون چھوڑ رکھا ہے،

قرآن مجید کی پہلی کتاب مولوی عبد السلام صاحب قدوائی ندوی تقطیع بڑی ضخامت ۵۰ صفحے کاغذ معمولی کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہین، پتہ:- ادارۂ تعلیمات اسلام نمبر ۸ ۱۳۰ امین آباد پارک لکھنؤ،

معارف مین لکھنؤ کے ادارۂ تعلیمات اسلام کا تذکرہ آچکا ہے، یہ ادارہ کئی سال سے تعلیم قرآن کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے اور لکھنؤ کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ مین تعلیم قرآن کا خاصہ ذوق پیدا کر دیا ہے، مذکورۂ بالا کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک مفید خدمت ہے، عربی زبان کی باقاعدہ تحصیل مین بڑا وقت صرف ہوتا ہے، اس لئے ادارہ کے لائق استاد اور کارکن مولوی عبد السلام صاحب قدوائی ندوی نے خاص ترجمۂ قرآن کے مقصد و تعلیم کے لئے ایک قرآنی نصاب کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہے، اس مین اس مقصد کے مطابق کلام مجید کے آغاز سے اس کی آیات اور اس کے الفاظ سے عربی لغت اور قواعد کے اسباق ترتیب دیئے ہین، املا و ترجمہ کی مشقین دی ہین غیر قرآنی مشقون مین بھی اصل مقصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جہان ضروری صرفی و نحوی قواعد تشریح طلب آیات کی وضاحت اور ان سے متعلق ضروری معلومات دیدئے ہین اس طریقِ تعلیم سے عربی زبان سے واقفیت اور ترجمۂ قرآن کی استعداد ساتھ ساتھ پیدا ہوتی جاتی ہے، یہ کتاب پہلے پارہ کے ترجمہ کا نصاب ہے جن لوگون کو کلام مجید سے ذوق ہو ان کو ضرور اس کتاب سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اس سلسلہ مین اس پہلو کی جانب توجہ دلانا ضروری ہے، اگر یہ نصاب صرف کلام مجید کا ترجمہ سمجھ لینے کی استعداد پیدا کرنے تک محدود ہے تو اس کی تفسیر و تاویل کے حدود اس سے باہر ہین اس کا ظاہر کر دینا اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ آج کل کے مجتہدین اردو اور انگریزی تراجم کے بل پر اجتہاد کے مدعی بن جاتے ہین براہ راست ترجمہ سمجھ لینے کے بعد ان کو سند جواز نہ ہاتھ آجائے جس کی مثالین آئے دن سامنے آتی رہتی ہین،

سرمایہ از جناب م م جوہر صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہین، پتہ:- مکتبۂ برہان قرول باغ دہلی،

کارل مارکس کا صحیفہ کیپٹل دنیا کی ان چند کتابون مین ہے، جس نے پرانے نظام عالم پر ایک عالمگیر انقلابی اثر ڈالا ہے تمام ترقی یافتہ زبانون مین اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اردو مین بھی اس کی ضرورت تھی، اس کتاب کے بعض ابواب و مباحث اتنے فلسفیانہ، پیچیدہ اور دقیق ہین، کہ اصل زبان مین ان کا سمجھنا مشکل ہے، ترجمہ مین شاید ژولیدگی بیان اور بڑھ جاتی، اس لئے لائق مترجم نے ترجمہ کرنے کے بجائے اس کے اہم ابواب و مباحث کی جن سے کارل مارکس کے اقتصادی فلسفہ اور اس کے بنیادی نظریون پر روشنی پڑتی ہے، اپنی زبان مین تلخیص کر دی ہے یہ تلخیص صاف اور سلجھی ہوئی ہے، مطالب کے سمجھنے مین کوئی دقت نہین ہوتی، بقیہ ابواب کی تلخیص اس کتاب کے دوسرے حصہ مین ہوگی، اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا، کہ اردو دان طبقہ کو براہ راست مارکس کے اقتصادی فلسفہ سے واقفیت ہو جائے گی، اور ان کو ہندوستانی سوشلسٹون کی پریشان تعبیرون سے نجات مل جائے گی،

"م"

جلد ۵۶ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۵ء عدد ۳

مضامین

شذرات

آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال پیشتر ایک انگریز مشنری ڈاکٹر ٹسڈل نے ینابیع الاسلام کے نام سے فارسی مین ایک کتاب لکھی تھی، جس مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی، کہ نعوذ باللہ کلام مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے، اور اسلام یہودی عیسوی اور بعض دوسرے مذاہب سے ماخوذ ہے، اور انگریزی، عربی اور اردو و متعدد زبانون مین اس کے ترجمے شائع کئے گئے تھے لیکن اسی زمانہ مین اس کے جوابات بھی لکھے گئے، چنانچہ عربی مین التطبیق بین الدیانۃ الوثنیہ والمسیحیہ کے نام سے مصر سے جواب شائع ہوا تھا، اردو مین پنجاب کے کسی صاحب نے جواب لکھا تھا، خواجہ کمال الدین مرحوم کی ینابیع المسیحیت بھی اسی کا الزامی جواب ہے، غرض یہ کوئی نئی کتاب نہین ہے، اور اس کی پوری تنقید و تردید ہو چکی ہے، دنیا اسے بھول بھی چکی تھی، اب نصف صدی کے بعد ایک "انجمن محسن اسلام" نے اسی کتاب کا جس کو مصنف نے مزید اضافون کے ساتھ اوریجنل سورس آف قرآن کے نام سے انگریزی مین شائع کیا تھا ترجمہ کر کے اس گڑے ہوئے مردے کو اکھاڑا ہے اور اپنے نزدیک اسلام کی بڑی خدمت انجام دی ہے،

یہ پرانے متعصبانہ دور کی باتین تھین، اب علم و تحقیق کا قدم اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ خود یورپ کے علما اس قسم کی کتابون کو خرافات سے زیادہ وقعت نہین دیتے، اور اگر کسی درجہ مین اس کی اہمیت مان بھی لیجائے تو عیسائیون اور مسلمانون کے مناظرانہ مسائل پر اتنا لکھا جا چکا ہے اور عیسائیون کے اعتراضات کے اتنے جوابات دیئے جا چکے ہین کہ مشکل ہی سے کوئی نیا مسئلہ نکل سکتا ہے، اس زمانہ مین بھی خواجہ کمال الدین مرحوم اور پروفیسر سید نواب علی صاحب کی تصانیف ایسی محققانہ ہین، کہ آج تک عیسائیون سے ان کا جواب نہ ہو سکا، خواجہ صاحب مرحوم کی ینابیع المسیحیت اور پروفیسر نواب علی صاحب کی تاریخ صحف سماوی اور قصص الحق مین ڈاکٹر ٹسڈل کی کتاب کا بڑی حد تک جواب موجود ہے، جن لوگون کی نظر سے ڈاکٹر ٹسڈل کی کتاب گذری ہو ان کو ضرور ان کتابون کا مطالعہ کرنا چاہئے،

اس سے قطع نظر علمی اور تحقیقی حیثیت سے ڈاکٹر ٹسڈل کی کتاب کی کوئی قدر و قیمت نہین ہے، وہ دجل و فریب تحریف و تدلیس اور مغالطہ و غلط بیانی کا مجموعہ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کو ایک نیا مذہب فرض کر کے بائبل اور قرآن مجید کے بعض مشترک اسرائیلی قصص اور اسلام، یہودیت و نصرانیت اور بعض دوسرے مذاہب کے چند ملتے ہوئے عقائد کی تفصیلات غیر معتبر کتابون سے نقل کر کے انھین غیر مذاہب سے ماخوذ بتایا گیا ہے، اور ان مین اور بائبل کے بیان مین جو اختلافات ہین، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی